342 نومبر ۲۰۱۰ء

مدیرِ اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی
حفظہ اللہ

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

۲ یوم الحج کا ورودِ مقدس
۱۳ سیرتِ محمد ﷺ؛ عالمگیر ودائمی نمونۂ عمل
۲۹ مسئلہ تدلیس؛ ایک جائزہ

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN
مجلس التحقیق الاسلامی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّتِ اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مُجلّہ

ماہنامہ مُحدّث لاہور پاکستان

مُدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

مُدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
Only For SMS
0333-4213525

جلد ۴۲/شمارہ ۱۱ —— ذوالقعدہ ۱۴۳۱ھ —— نومبر ۲۰۱۰ء

فہرست مضامین

فکر و نظر

یوم الحج کا درودِ مقدس — مولانا ابوالکلام آزادؒ — ۲

سنت وسیرت

سیرتِ محمدﷺ؛ عالمگیر و دائمی نمونہ عمل تلخیص: عرفان خالد ڈھلوں — ۱۳

اصولِ حدیث

التحقیق والتنقیح في مسئلة التدلیس — محمد خبیب احمد — ۲۹

احکام وشرائع

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت — مسز رضیہ اَزہر — ۵۲

الاستفتاء

خلع اور طلاقِ ثلاثہ کے بعض اَحکام — حافظ صلاح الدین یوسف — ۵۷

تحقیق وتنقید

حج میں شرعی سہولت وآسانی — شیخ فہد بن سعد — ۶۵

تعلیم وتعلم

بچوں کو قرآنی عربی سکھانے کا طریقہ — مولانا محمد بشیر — ۸۶

مکاتیب وتاثرات

مکتوبات — محمد رمضان یوسف سلفی/عبدالعزیز — ۹۶

مدیر معاون
کامران طاہر
0302 4424736

زرِ سالانہ
=/۲۰۰ روپے
فی شمارہ =/۲۰ روپے

بیرونِ ملک
زرِ سالانہ =/۲۰ ڈالر
فی شمارہ =/۲ ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984-8
UBL- Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

☎ : 5866476
5866396
5839404

Email:
hhasan@wol.net.pk

Publisher:
Hafiz Abdul Rahman Madani

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

Islamic Research Council

مُحدّث کتاب وسُنّت کی روشنی میں آزادانہ بحث وتحقیق کا حامی ہے لہٰذا ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

مولانا ابوالکلام آزادؒ

یوم الحج کا ورودِ مقدس: ربِّ قدوس کی یاد اور پکار

حبِ الٰہی کا سب سے بڑا گھرانہ

ان دنوں ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے اور کچھ ہی دنوں بعد تاریخ عالم کا وہ عظیم الشان روز طلوع ہونے والا ہے جس کے آفتاب کے نیچے کرۂ ارضی کے ہر گوشے کے لاکھوں انسان اپنے مالک کو پکارنے کے لیے جمع ہوں گے اور ریگستانِ عرب کی ایک بے برگ وگیاہ وادی کے اندر خدا پرستی و حب الٰہی کا سب سے بڑا گھرانہ آباد ہوگا۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (الحج:۴۱)

''وہ لوگ کہ اگر اُنہیں زمین میں قائم کر دیں تو ان کا کام یہ ہوگا کہ صلوٰۃ الٰہی کو قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔''

اللہ کی بندگی کا پہلا مقدس گھر

یہ پہلا گھر تھا جو اللہ کی پرستش کے لیے بنایا گیا اور آج بھی دنیا کے تمام بحر و بر میں صرف وہی ایک مقدس گوشہ جو اولیاء الشیطان و اصحاب النار کی لعنت سے پاک ہے اور صرف اللہ کے دوستوں اور اس کی محبت میں دُکھ اٹھانے والوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔

دور دراز ملکوں سے اجتماع کی وجہ: سمندروں، ہواؤں کو عبور کر کے، پہاڑوں کو طے کر کے، کئی کئی مہینوں کی مسافت چل کر دنیا کی مختلف نسلوں، مختلف رنگتوں، مختلف بولیوں کے بولنے والے اور مختلف گوشوں کے باشندے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ سلافی یا ٹیوٹانیک نسل کی باہمی عداوتوں سے دنیا کے لیے لعنت بنیں، اس لیے نہیں کہ ایک انسانی نسل دوسری نسل کو بھیڑیوں کی طرح پھاڑ دے اور اژدہوں کی طرح ڈسے۔ اس لیے نہیں کہ اللہ کی

زمین کو اپنے ابلیسی غرور اور شیطانی سیاست کی نمائش گاہ بنائیں۔ اس لیے نہیں کہ تیس تیس من کے گولے پھینکیں اور سمندر کے اندر ایسے جہنمی آلات رکھیں جو منٹوں اور لمحوں میں ہزاروں انسانوں کو نابود کر دیں، بلکہ تمام انسانی غرضوں اور مادی خواہشوں سے خالی ہو کر اور ہر طرح کے نفسانی ولولوں اور بہیمی شرارتوں کی زندگی سے ماوراء الوریٰ جا کر، صرف اس ربِ قدوس کو پیار کرنے کے لئے، اس کی راہ میں دُکھ اٹھانے اور مصیبت سہنے کے لیے اور اس کی محبت و رأفت کو پکارنے اور بلانے کے لیے جس نے اپنے ایک قدوس دوست علیہ السلام کی دعاؤں کو سنا اور قبول کیا، جبکہ نیکی کا گھرانہ آباد کرنے کے لیے اور امن و سلامتی اور حق و عدالت کی بستی بسانے کے لیے اس نے اپنے اللہ کو پکارا تھا کہ

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـــِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ

(ابراہیم: ۳۷)

"اے پروردگار! میں نے تیرے محترم گھر کے پاس ایک ایسے بیابان میں جو بالکل بے برگ وگیاہ ہے، اپنی نسل لا کر بسائی ہے تاکہ یہ لوگ تیری عبادت کو قائم کریں، پس تو ایسا کر کہ انسانوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دے اور ان کے رزق کا بہتر سامان کر دے تاکہ وہ تیرا شکر کریں۔"

مقدس گھرانے کا معنوی تصوّر

کس بستی کے باشندے ہے؟: تم ذرا ان کی اُن عجیب و غریب حالتوں کا تصور کرو، یہ کون لوگ ہیں اور کس پاک بستی کے بسنے والے ہیں؟ کیا یہ اسی زمین کے فرزند ہیں جو خون اور آگ کی لعنتوں سے بھر گئی اور صرف بربادیوں اور ہلاکتوں ہی کے لیے زندہ رہی۔ کیا یہ اسی آبادی سے نکل آئے ہیں جو سبعیت و خونخواری میں درندوں کے بھٹ اور سانپوں کے غاروں سے بھی بدتر ہے اور جہاں ایک انسان دوسرے انسان کو اس طرح چیرتا پھاڑتا ہے کہ آج تک نہ تو سانپوں نے کبھی اس طرح ڈسا اور نہ جنگلی سوروں نے کبھی اس طرح دانت مارے؟ کیا یہ اسی نسل اور گھرانے کے لوگ ہیں جس نے اللہ کے رشتوں کو یکسر کاٹ ڈالا اور اس طرح اس کی طرف سے منہ موڑ لیا کہ اس کی بستیوں اور آبادیوں میں اللہ کے نام کے لیے ایک آواز اور ایک سانس بھی باقی نہ رہی؟ آہ! اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ کون ہیں اور کہاں سے

آئے ہیں؟ یہ قدوسیوں کی سی معصومیت فرشتوں کی سی نورانیت اور سچے انسانوں کی سی محبت ان میں کہاں سے آ گئی ہے۔

ماحول کی ہمہ گیر یکسانیت: تمام دنیا نسلی تعصبات کے شعلوں میں جل رہی ہے، مگر دیکھو یہ دنیا کی تمام نسلیں کس طرح بھائیوں اور عزیزوں کی طرح ایک مقام پر جمع ہیں اور سب ایک ہی حالت، ایک ہی وضع، ایک ہی لباس، ایک ہی قطع، ایک ہی مقصد اور ایک ہی صدا کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں؟ سب اللہ کو پکار رہے ہیں، سب اللہ ہی کے لیے حیران و سرگشتہ ہیں، سب کی عاجزیاں اور درماندگیاں اللہ ہی کے لیے اُبھر آئی ہیں۔ سب کے اندر ایک ہی لگن اور ایک ہی ولولہ ہے۔ سب کے سامنے محبتوں اور چاہتوں کے لیے اور پرستشوں اور بندگیوں کے لیے ایک ہی محبوب و مطلوب ہے۔ جب کہ تمام دنیا کا محورِ عمل، نفس و ابلیس ہے تو یہ سب صرف اللہ کے عشق و محبت میں خانہ ویراں ہو کر اور جنگلوں و دریاؤں کو قطع کر کے دیوانوں اور بے خودوں کی طرح یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے نہ صرف دنیا کے مختلف گوشوں کو چھوڑا بلکہ دنیا کی خواہشوں اور ولولوں سے بھی کنارہ کش ہو گئے۔

دل سوختہ لوگوں کی بستی: اب یہ ایک بالکل نئی دنیا ہے جس میں صرف عشقِ الٰہی کے زخمیوں اور سوختہ دلوں کی بستی آباد ہوئی۔ یہاں نہ نفس کا گزر ہے جو غرور و بہیمی کا مبدا ہے اور نہ انسانی شرارتوں کو بارمل سکتا ہے جو خون ریزی اور ظلم و سفاکی میں کرۂ ارضی کی سب سے بڑی درندگی ہیں۔

راز و نیازِ عبد و معبود: یہاں صرف آنسو ہیں جو حب کی آنکھوں سے بہتے ہیں، صرف آہیں ہیں جو محبت کے شعلوں سے دھوئیں کی طرح اُٹھتی ہیں، صرف دل سے نکلی ہوئی صدائیں ہیں جو پاک دعاؤں اور مقدس نداؤں کی صورت میں زبانوں سے بلند ہو رہی ہیں، اور ہزاروں سال پیشتر کے عہدِ الٰہی اور راز و نیاز عبد و معبود ہی کو تازہ کر رہی ہیں:

لبیك لبیك اللھم لبیك لا شریك لك لبیك
سرِ روحانیاں داری ولے خود را ندیدستی
بخواب خود در آ تا قبلۂ روحانیاں بینی!

"تجھے اللہ والوں کا شوق ہے مگر تو نے اپنی طرف نہیں دیکھا، اپنے خواب کی طرف توجہ کر، تاکہ تجھے اللہ والوں کا قبلہ نظر آئے۔"

روحانی مجمع کی تاریخِ حیات

قدسی دوستوں کی دعا

یہ وہ مجمع ہے جس کی بنیاد دعاؤں نے ڈالی۔ جس نے دعاؤں سے نشوونما پائی، جو صرف دعاؤں ہی کے لیے قائم کیا گیا، جس کی ترکیب بھی اوّل سے لے کر آخر تک دعاؤں ہی کے مناسک سے ہوئی اور جو دعاؤں ہی کی لازوال طاقت سے قائم ہے۔ سب سے پہلے دعا وہ تھی جو اس گھر کی بنیاد رکھتے ہوئے اللہ کے دو قدوس دوستوں کی زبان پر جاری ہوئی:

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (البقرۃ: ۱۲۸*۱۲۹)

"اے پروردگار! ہمیں اپنا اطاعت شعار بنا اور ہماری نسل سے ایک اُمت پیدا کر جو تیری فرمانبردار و مطیع ہو۔ اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتلا دے اور ہماری توبہ قبول کر لے۔ تو تو بہت ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے اور پھر اے پروردگار! ہماری نسل میں ایک اپنا رسول مبعوث کر جو اُس کے آگے تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور اُنہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کے اَخلاق کا تزکیہ کر دے۔"

قبولیتِ دُعا

سرِ بیابانِ حجاز کے قدوس لم یزل نے یہ دعا قبول کر لی اور اپنی اس اُمت مسلمہ کو پیدا کیا جو فی الحقیقت وجودِ ابراہیم کے اندر پنہاں تھی: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا (النحل: ۱۲۰)

"بیشک حضرات ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے وجود واحد کے اندر ایک پوری قوم اور اللہ پرست اُمت تھے۔"

یہ گھرانہ درحقیقت دنیا کی امامت اور ارضِ الٰہی کی وراثت کے لیے آباد کیا گیا تھا اور اس کا عہد و میثاق روزِ اوّل ہی بندھ گیا تھا۔

اِطاعت شعاروں کی سرفرازی، ظالموں کی محرومی

پس اس مقدس دعا کی قبولیت نے اُمت مسلمہ کو بھی قائم کیا، اور دنیا کے تزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت کے لیے سلسلۂ ابراہیمی کے آخری رسول کو بھی مبعوث کیا، نیز جو امامت و پیشوائی اور خلافت فی الارض حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کو دی گئی تھی، اس کی وراثت ان کی ذریت ونسل ٹھہرائی گئی۔ البتہ بموجب اپنے عہد کے ظالموں کو اس سے محروم کردیا گیا۔ اس نسل کے جو لوگ اپنے نفس و روح کے لیے ظالم ہوئے اور اللہ کے مقدس نوشتوں کی اطاعت سے سرکشی کی، ان سے وہ امامتِ موعودہ بھی چھین لی گئی اور خلافت موہوبہ سے بھی محروم کردیئے گئے کہ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (البقرۃ:۱۲۴)

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ

''پھر ان کے بعد وہ لوگ ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے صلوٰۃِ الٰہی کو ترک کردیا اور اپنی نفسانی خواہشوں کے بندے ہوگئے۔''

اقبال مندی اور تصویر نامرادی

یہ دعاؤں کا وعدہ تھا جس کا ظہور ہماری اقبال مندی و کامرانی کی تاریخ ہے اور اسی طرح یہ دعاؤں ہی کی ایک وعید بھی تھی جس کی سزائیں اور محرومیاں ہماری برگشتگی اور درماندگیوں کا ماتم ہیں۔ وہ ہم ہی تھے، جو اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا کے وارث ٹھہرائے گئے تھے اور ہم ہی ہیں جو آج لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ کی تصویر نامراد ہیں۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (آل عمران:۱۸۲)

''یہ سب کچھ ان اعمال کا نتیجہ ہے جو خود انہوں نے اختیار کئے، ورنہ اللہ کریم تو اپنے بندوں کے لیے کبھی بھی ظالم نہیں ہوسکتا۔''

اِجتماعِ لاہوتی کا ظہور

پس دعاؤں کا یہ اجتماعِ لاہوتی، اُمتِ مسلمہ کا یہ مجمع مبارک، اور روحانیتِ مقدسۂ ابراہیمیہ کا یہ منظرِ عظیم وجلیل، قریب ہے کہ اسی بیابانِ حجاز میں ظہور کرے جہاں ربِ ابراہیم ومحمد (علیہم السلام) نے امامت وخلافت الٰہی کے لیے اوّلین دعا کو سنا اور پھر ہمیشہ دعاؤں کے سننے اور

اپنی پکاروں اور نداؤں کے بلند ہونے کے لیے اسے برگزیدہ کردیا۔

تصورِ کوچ (ذوالحجہ کی تین تاریخ)

روحانیتِ عظمیٰ

جس وقت ذی الحجہ کی تیسری تاریخ ہوگی، (تو یہ) بادیہ نوردانِ عشق آبادِ حجاز کے قافلے کوچ کے لیے تیار ہوں گے۔ اس وقت کا تصور کرو کہ وہ کیسا وقتِ عظیم ہوگا، جب کہ لاکھوں انسانوں کے اندر سے اُسوۂ ابراہیم علیہ السلام کی روحانیتِ عظمیٰ اپنے رب کو بے قراری سے پکارے گی اور اس کے مقدس عہد و میثاق کا رشتہ تازہ ہوگا۔ لاکھوں سر ہوں گے جو بے تابانہ اللہ کے حضور جھکائے جائیں گے، لاکھوں پیشانیاں ہوں گی جو اس کی چوکھٹ پر گرائی جائیں گی۔ لاکھوں دل ہوں گے جو اُس کے نظارۂ جمال کے عشق میں ڈوب جائیں گے اور لاکھوں زبانیں ہوں گی جن سے ان کے حضور میں دعائیں نکلیں گی۔

وقتِ عظیم کی غنیمت

سو چاہیئے کہ اس وقت عظیم و جلیل اور ایام الٰہیہ مخصوصہ کے حصول کو غنیمت سمجھو اور تم خواہ کہیں ہو اور کسی حال میں ہو، لیکن اپنی تمام قوتوں اور تمام جذبوں سے کوشش کرو کہ تمہاری دعائیں بھی اِن دعاؤں کے ساتھ شامل ہوجائیں اور تمہاری بے تابیاں و بے قراریاں بھی ٹھیک اسی وقت اللہ کے حضور رحمت طلب ہوں کہ یہ وقت پھر میسر نہ آئے گا۔

وقت کی اہم ترین ضرورت

اختتام روزِ ہجر اور عہدِ وصال کا آغاز

دنیا انقلاب و تجدد کے ایک مہیب عہد سے گزر رہی ہے اور نئے موسم کی علامتوں نے ہر طرف طوفانوں اور بجلیوں کی ایک قیامت کبریٰ بپا کردی ہے۔ ممکن ہے روزِ ہجر ختم ہونے والا اور عہدِ وصال کی ایک نئی رات شروع ہونے والی ہو۔ پس ضروری ہے کہ دن بھر جن لوگوں نے غفلت کی ہے، وہ اب عین شام کے وقت غفلت نہ کریں، کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ شام آگئی ہے اور چراغوں کا انتظام کرنا چاہیے۔

مؤمن کا نصب العین

ہاں ہر مؤمن کو چاہیے کہ وہ یکسر دعاؤں میں ڈوب جائے اور ان مقدس ایام کے اندر صدقِ دل سے توبہ کرے اور اپنے رب سے اپنا معاملہ درست کر لے۔

یہ بڑا ہی سخت وقت ہے جس کی نوشتۂ الٰہی میں خبر دی گئی تھی۔ وہ وقت موعودہ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ آ گیا ہے اور زمین اپنے گناہوں کی پاداش میں اُلٹ دی گئی ہے۔ پس توبہ کرو اور اس کے سامنے اپنی سرکشیوں کا سر مجرموں کی طرح ڈال دو اور تڑپ تڑپ کر وہ سب کچھ مانگو جس کو تمہارا دل چاہتا ہے، مگر تمہارے اعمال اس کے سزاوار نہیں ہیں۔

نفس پرستیوں کا کرشمہ

تم اس کے حضورحج کے دن اور عید کی صبح کو جب کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی گردن پر چھری رکھی تھی، مسکینوں اور لاچاروں کی طرح گرجاؤ، اپنی سرکشیوں اور نفس پرستیوں کے گئو سالہ کو ذبح کردو:

اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

''تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے اوپر سخت ظلم کیا ہے، لہٰذا تم لوگ اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاک کرو۔'' (البقرۃ:۵۴)

اور گڑگڑا کر دعا مانگو کہ اے اللہ! زمین کی سب سے بڑی مصیبت، انسانی معصیت کے سب سے بڑے عذاب اور انقلابِ اقوام و ملل کے سب سے زیادہ مہیب موسم کے وقت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی ذریت کو نہ بھلائیو اور ان کے گناہوں کو معاف کر دیجیو۔

عید کے دن کی یاد

دعائے اِنابت

علی الخصوص عید کے دن جب اس کے حضور کھڑے ہو تو اپنے گناہوں کو یاد کرو۔ تم میں ایک روح بھی ایسی نہ ہو جو تڑپتی نہ ہو اور ایک آنکھ بھی ایسی نہ ہو جس سے آنسوؤں کے چشمے نہ بہہ رہے ہوں۔ یاد رکھو کہ دل کی آہوں اور آنکھوں کے آنسوؤں سے بڑھ کر اس کی درگاہ

میں کوئی شفیع نہیں ہوسکتا۔ پس جس طرح بھی ہوسکے، اپنے اللہ کو راضی کرو اور اسے منالو۔ کیونکہ تم نے اپنی بدعملیوں سے اسے غصہ دلایا اور اس کے پاک حکموں کی پرواہ نہ کی اور تم یوں پکارو کہ اے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے ربّ اور اے رسول اُمّی ﷺ کے پروردگار!

ہم نے تیرے عہد کی پرواہ نہ کی اور اپنی بداعمالیوں سے تیری مقدس زمین کو ملوث اور گھناؤنا کردیا، لیکن اب ہم اپنی سزاؤں کو پہنچ چکے اور ہم نے بڑے سے بڑا دکھ اُٹھالیا۔ ہم مثل یتیم لڑکوں کے ہوگئے ہیں جن کے والدین کو ان سے جدا کردیا گیا ہو۔ کیونکہ ہمارا اللہ ہم سے راضی نہ رہا اور ہم غمگینی اور رسوائی کے لیے چھوڑ دیئے گئے۔ پر اے حی و قیوم! اب ہم پر رحم کر، ہمارے قصوروں کو معاف کر، اور ہم سے منہ نہ موڑ، گو ہماری خطائیں بے شمار ہیں، لیکن ہم سب تیرے ہی نام لیوا کہلاتے ہیں اور تیری راہ میں دُکھ اٹھانے کے لیے تیار ہیں:

اگر نہ بہر من، از بہر خود عزیزم دار
کہ بندۂ خوبی او خوبی خداوند است

''اگر میرے لیے نہیں تو اپنی خاطر ہی مجھے عزیز رکھ، کیونکہ کسی انسان کی کوئی خوبی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت وعنایت سے ہے۔''

تو نہ ہم کو بھول جا: اے ستار وتواب الرحیم! کیا ہمارا غم دائمی ہے؟ کیا ہمارے خزاں کے لیے کبھی بہار نہیں؟ اور کیا ہمارے زخم کے لیے کوئی مرہم نہ ہوگا؟ اے نسل ابراہیمؑ کے اُمیدگاہ! تو ہمیشہ کے لیے ہمیں نہ بھول اور ہمیں اپنی طرف لوٹالے، ہم تجھ سے ہمیشہ بھاگے ہیں مگر اب ہم تیری طرف لوٹ آئیں گے، کیونکہ ہمیں کہیں پناہ نہ ملی۔

اَمن وہدایت کی صدائے بازگشت

تو ہمیں نیکی اور صداقت کے لیے چن لے، اور اپنی ہدایت و عدالت کی تبلیغ کا بوجھ پھر ہماری گردنوں پر ڈال! دنیا آج انتہائے ترقی کے بعد بھی امن و عدالت کے لیے ایسی ہی تشنہ ہے، جیسی ظہورِ صداقت کبریٰ کے اوّلین عہد جہالت میں تھی:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف: ۲۳)

''اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا، اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا اور ہم

پر رحم نہ فرمایا تو ہمارے لیے بربادی کے سوا کچھ نہیں۔"

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آل عمران:۲۶)

"اے اللہ! شاہی و جہانداری کے مالک! تو جسے چاہے ملک بخش دے، جس سے چاہے ملک لے لے۔ جسے چاہے عزت دے دے، جسے چاہے ذلیل کردے۔ تیرے ہی ہاتھ میں ہر طرح کی بھلائی کا سررشتہ ہے اور تیری قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔"

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الممتحنہ:۴،۵)

"اے ہمارے پروردگار! ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا، تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور پھر تیری ہی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ پروردگار! ہمیں کافروں کا تختہ مشق نہ بنانا۔ پروردگار! ہمیں بخش دے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔"

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (البقرۃ:۲۵۰)

"اے پروردگار! ہم پر صبر انڈیل دے اور اپنی راہ میں ثابت قدمی عطا کر اور پھر ایسا کر کہ منکرینِ حق کے گروہ پر ہم فتح مند ہو جائیں۔"

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

"پروردگار! ہمیں اس ظالم گروہ کے لیے آزمائش کا موجب نہ بنا بلکہ اپنی رحمت سے ایسا کیجئے کہ اس کافر گروہ کے پنجہ سے نجات پا جائیں۔" (یونس:۸۵،۸۶)

رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ (یونس:۸۸)

"پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا میں زیب و زینت کی چیزیں اور مال و دولت کی شوکتیں بخشی ہیں۔ تو خدایا! کیا یہ اس لیے ہے کہ تیری راہ سے یہ لوگوں کو بھٹکائیں۔ خدایا! ان کی دولت زائل کردے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے کہ اس وقت تک یقین نہ آئے جب تک عذاب دردناک اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔"

لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح:۲۶)

'پروردگار! منکرین حق کا ایک گھر بھی زمین پر بسنے نہ پائے۔"

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ

(آل عمران:۸)

"اے پروردگار! ہمیں سیدھے راستے لگا دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ڈانواں ڈول نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ یقیناً تو ہی ہے کہ بخشش میں تجھ سے بڑا کوئی نہیں۔"

رحمتِ باری کی فراوانی کا دن

تلاش مؤمنِ قانت اور دعوتِ الی اللہ

(یوم الحج کا طلوعِ مقدس) سال بھر میں عالم اسلامی کے لیے یہ ایک ہی موقع تنبیہ افکار، وایقاظ ہمم وتحریک قلوب و استقبالِ وجوہ و احیاے ارواح وذہاب الی اللہ کا آتا ہے جو فی الحقیقت دین الٰہی کے تمام آمال و اعمال کا مرکز ومحور اور حلقہ بگوشانِ ملت حنیفی کے لیے مبداے تجدد و انقلاب ہے۔ جبکہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔ جبکہ اس کے حریم وصال کے دروازے کھل جاتے ہیں جبکہ اس کی رحمت ونصرت کے ملائکہ مسومین ایک ایک مؤمن قانت اور مسلم مخلص کے دل کو ڈھونڈھتے ہیں اور اسے اللہ کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دیتے ہیں کہ

يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (الزمر:۵۳)

'اے میرے غافل بندو! کہ تم نے عہد عبودیت و نیاز کو توڑ کر خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، خواہ تمہاری بداعمالیاں کیسی ہی سخت ہو رہی ہوں۔ بایں ہمہ اگر اب بھی توبہ وانابت کا سر جھکا دو تو میں تمہارے تمام جرموں کو بخش دوں گا، کیونکہ میں بہت ہی بخشنے والا اور رحم فرما ہوں۔"

باز آ باز آ، ہر آنچہ ہستی باز آ	گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست	صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

"تو برائی کی جس حالت میں بھی ہے، اس سے باز آ جا۔ خواہ تو کافر ہے، آتش پرست یا بت پرست ہے، اس سے توبہ کر لے۔ ہماری یہ درگاہ ناامیدی کی درگاہ نہیں ہے۔ اگر تو نے سو بار بھی

توبہ توڑ دی ہے پھر بھی باز آجا اور توبہ کرلے..... تو تیری توبہ قبول ہوگی۔"

محرومی از برکاتِ وقتِ مجیب

اے عزیزانِ غفلت شعار! اے بقیۂ ماتم گزارانِ قافلۂ ملت! تمہاری غفلتوں پر حسرت، تمہاری سرشاریوں پر صد افسوس اور تمہاری عزائم فراموشیوں پر صد ہزار آہ و ماتم، اگر تم اس وقت عظیم و مجیب کی برکتوں سے محروم رہو۔ (اور اگر) تم اپنے دل ہائے مجروح اور ارواحِ مضطر کو خونباری و دجلہ ریزی کے لیے تیار نہ کرو!

جنگ اور صدیوں کی جنگ

تم کو اس جنگ..... کی بھی کچھ خبر ہے جو دنیا کی سب سے بڑی ضعیف ہستی اور سب سے بڑی لازوال طاقت کے درمیان صدیوں سے جاری ہے..... جو تم میں اور تمہارے خدائے قاہر و قیوم میں برپا ہے، جس میں آج تک کسی بڑی سے بڑی قوت نے بھی فتح نہ پائی اور جس کی آخری شکست بڑی ہی الیم و معذب ہے۔

تم اس فاطر السموات والارض کی لایزال ولم یزل طاقت پر ایمان نہیں لاتے..... تم کو یاد نہیں آتا، اس شہنشاہِ ارض وسما سے سرکش ہوگئے ہو، جو اپنی ایک نگہِ مشیت سے تمام نظام ارضین وسماوات کو اُلٹ دینے پر قادر ہے۔

بختِ خفتہ و طالع گم گشتہ

آہ! تمہاری غفلتوں پر آسمان روئے اور زمین ماتم کرے، اگر مرغانِ ہوائی فغاں سنج ہوں اور سمندروں سے مچھلیاں غم کرنے کے لیے اُچھل پڑیں، جب بھی اس کا ماتم ختم نہ ہوگا، کیونکہ تمہارا ماتم تمام دنیا کا ماتم ہے اور چراغ کے بجھنے کا رونا چراغ پر رونا نہیں ہے بلکہ گھر کی تاریکی پر رونا ہے..... تم دوسروں کی بیداری کے افسانے سن کر ترانہ سنج مدح و ثنا ہوتے ہو مگر اپنے بختِ خفتہ و طالع گم گشتہ کو نہیں ڈھونڈتے کہ وہ کہاں گم ہے؟

فآہ ، آہ ، ثم آہ ، علی مافرطتم في جنب الله!

درازی شب و بیداری من ایں ہمہ نیست ۔ زبختِ من خبر آرید تا کجا خفت است؟

"رات کا طویل ہونا اور میرا جاگتے رہنا اس کی کوئی حیثیت نہیں، میری قسمت کی خبر لاؤ کہ وہ کہاں سوگئی ہے؟" (ماخوذ از کتاب "حقیقتِ حج" از مولانا ابوالکلام آزاد: ص 18 تا 32)

سنت وسیرت

تلخیص وتدوین: ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں

سیرتِ محمد رسول اللہ ﷺ؛ ایک عالمگیر ودائمی نمونۂ عمل

سید سلیمان ندویؒ کے ۱۹۲۵ء میں دیئے گئے ۸ لیکچرز کی تلخیص

سید سلیمان ندوی نے 1884ء میں پٹنہ کے ایک سادات خاندان میں آنکھ کھولی، آپ دارالعلوم ندوۃ العلما کے تعلیم یافتہ، سیرت نگار، صحافی، مصنف اور مقرر تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور آزادی ہند کی تحریکوں میں حصہ لیا۔ آپ ترکی کے مسئلہ پر 1920ء میں یورپ جانے والے تین رکنی وفدِ خلافت میں شامل تھے۔ علامہ اقبال اور سر راس مسعود کے ہمراہ افغانستان کی دعوت پر وہاں گئے اور تعلیمی تجاویز دیں۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے آپ کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی۔ آپ ریاست بھوپال کے چیف جسٹس بھی رہے۔

حضراتِ گرامی! وہ سیرت یا نمونۂ حیات جو انسانوں کے لیے ایک آئیڈیل سیرت کا کام دے، اس میں چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

تاریخیّت　　کاملیّت　　جامعیّت　　اور عملیّت

① تاریخیّت

اس سے مقصود یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو حالاتِ زندگی پیش کیے جائیں، وہ تاریخی لحاظ سے مستند ہوں، ان کی حیثیت قصوں اور کہانیوں کی نہ ہو۔ خیالی اور مشتبہ سیرتیں خواہ کتنے ہی مؤثر انداز میں پیش کی جائیں، بیتیں ان سے دیرپا اور گہرا اثر نہیں لیتیں اور ان پر کوئی انسان اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں رکھ سکتا۔

سب سے قدیم ہونے کا دعویٰ ہندوؤں کو ہے مگر ان میں سے کسی کو 'تاریخی' ہونے کی عزت حاصل نہیں ہے۔ رامائن کی زندگی کے کن واقعات کو تاریخ کہہ سکتے ہیں؟ یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ واقعات کس زمانہ کے ہیں۔

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینیرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

قدیم ایرانی مجوسی مذہب کا بانی زرتشت جو آج بھی لاکھوں لوگوں کا مرکز عقیدت ہے، اس کے حالات زندگی محققین کی متضاد آرا سے اتنے مشکوک ہیں کہ کوئی انسان ان کے بھروسے پر اپنی زندگی کی بنیاد قائم نہیں کرسکتا۔

قدیم ایشیا کے سب سے وسیع مذہب بدھ کا ہندوستان میں برہمنوں اور وسطی ایشیا میں اسلام نے خاتمہ کیا تھا۔ ایشیائے اقصیٰ میں بدھ مت کی حکومت، تہذیب اور مذہب قائم ہیں۔ لیکن یہ چیزیں بدھ کی سیرت کو تاریخ میں محفوظ نہ رکھ سکیں۔ چین کے کنفیوشس کی ہمیں بدھ سے بھی کم واقفیت ہے، حالانکہ ان کے پیروکار کروڑوں میں ہیں۔

سامی قوم کے سینکڑوں پیغمبروں کے ناموں کے سوا تاریخ کچھ نہیں بتاتی۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کی سیرتوں کے چند حصوں کے علاوہ ان کی زندگیوں کے ضروری اجزا تاریخ سے گم ہیں۔ قرآن کے سوا، یہودیوں کے اسفار میں ان پیغمبروں کے درج حالات کی نسبت محققین کو شکوک ہیں۔ ان شکوک سے صرف نظر کرنے کے باوجود ان بزرگوں کی مقدس زندگیوں کے ادھورے اور نامربوط حصے ایک کامل انسانی زندگی کی پیروی کا سامان نہیں کرسکتے۔

② کاملیت

عزیزو! کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونۂ عمل بننے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے تمام حصے روزِ روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہوں تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس کی سیرت کہاں تک انسانی معاشرہ کے لیے ایک آئیڈیل زندگی کی صلاحیت رکھتی ہے۔

آج بدھ کے پیروکار دنیا کی چوتھائی آبادی پر قابض ہیں، مگر تاریخی حیثیت سے بدھ کی زندگی صرف چند قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ اگر اسے تاریخ کا درجہ دے کر بدھ کی زندگی کے ضروری اجزا تلاش کریں تو ہمیں ناکامی ہوگی۔ یہی حال زرتشت کا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (گیارہواں ایڈیشن) کے آرٹیکل زراسٹر کے مضمون نگار نے لکھا ہے:

''اس کی جائے پیدائش کی تعیین سے متعلق شہادتیں متضاد ہیں..... زرتشت کے زمانے سے ہم قطعاً ناواقف ہیں۔''

انبیاے سابقین میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے۔ موجودہ تورات کے مستند یا غیر مستند ہونے سے قطع نظر، تورات کی پانچوں کتابوں سے ہمیں ان کی زندگی کے کس قدر اجزا ملتے ہیں؟ تورات کی پانچویں کتاب میں جو کچھ لکھا ہے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہے۔ دنیا آپ کے اس سوانح نگار سے واقف نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ۱۲۰ سال عمر پائی۔ اس طویل سوانح کے ضروری اجزا ہمارے پاس کیا ہیں: پیدائش، جوانی میں ہجرت، شادی اور نبوت پھر چند لڑائیوں کے بعد ۱۲۰ برس کی عمر میں ان سے ملاقات ہوتی ہے۔ انسان کو اپنی سوسائٹی کے عملی نمونہ کے لیے جن اجزا کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اخلاق و عادات اور طریق زندگی ہیں، اور یہی اجزا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری سے گم ہیں۔

اسلام کے سب سے قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو آج یورپین مردم شماری کے مطابق تمام دوسرے مذاہب کے پیروؤں سے زیادہ ہیں۔ مگر اسی پیغمبر کے حالاتِ زندگی تمام دوسرے مشہور بانیانِ مذاہب کے سوانح سے سب سے کم معلوم ہیں۔ انجیل کے مطابق آپ کی زندگی ۳۳ برس تھی۔ موجودہ انجیلوں کی روایتیں اوّلاً تو نامعتبر ہیں اور جو کچھ ہیں، وہ آپ کے آخری تین سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں۔ آپ پیدا ہوئے، پیدائش کے بعد مصر لائے گئے، لڑکپن میں ایک دو معجزے دکھائے، اس کے بعد وہ غائب ہو جاتے ہیں اور پھر اچانک تیس برس کی عمر میں بپتسمہ دیتے اور پہاڑوں اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ کہتے اور یہودیوں سے مناظرے کرتے نظر آتے ہیں، یہودی اُنہیں پکڑوا دیتے ہیں اور رومی عدالت اُنہیں سولی دے دیتی ہے۔ تیسرے دن ان کی قبر ان کی لاش سے خالی نظر آتی ہے۔ تیس برس اور کم از کم پچیس برس کا زمانہ کہاں اور کیسے گزرا؟ دنیا اس سے ناواقف ہے اور رہے گی.....!

③ جامعیت

میرے دوستو! کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لیے تیسری ضروری شرط جامعیت ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقات انسانی یا ایک فرد انسان کو اپنی ہدایت اور ادائیگی فرائض کے لیے جن مثالوں اور نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ سب اس 'آئیڈیل زندگی' میں موجود ہوں۔ اللہ اور بندے اور بندوں کے مابین فرائض اور واجبات کو تسلیم اور اُنہیں ادا کرنے کا نام 'مذہب' ہے۔ ہر

مذہب کے پیروؤں پر فرض ہے کہ وہ ان حقوق و فرائض کی تفصیلات اپنے بانیوں کی سیرتوں میں تلاش کریں۔

جو مذاہب خدا کو تسلیم ہی نہیں کرتے، جیسے بدھ مت اور جین مت کے متعلق کہا جاتا ہے، تو ان کے بانیوں میں محبت ِالٰہی اور توحید پرستی وغیرہ کی تلاش ہی بیکار ہے۔ جن مذاہب نے خدا کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کیا ہے، ان کے بانیوں کی زندگیوں میں بھی خدا طلبی کے واقعات مفقود ہیں۔ توحید اور اس کے احکام اور قربانی کی شرائط کے علاوہ تورات کی پانچوں کتابیں یہ نہیں بتاتیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلقات قلبی، اطاعت و عبادت اور اللہ کی صفات ِکاملہ کی تاثیر ان کے قلب اَقدس میں کہاں تک تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا آئینہ انجیل ہے۔ انجیل میں ایک مسئلہ کے علاوہ کہ خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا، ہمیں نہیں معلوم ہوتا کہ اس دنیاوی زندگی میں باپ اور بیٹے میں کیا تعلقات تھے؟

اب حقوق العباد کو لیجئے، بدھ اپنے اہل و عیال، دوست اور حکومت و سلطنت کے بارِ گراں کو چھوڑ کر جنگل چلے گئے۔ اسی لیے بدھ کی زندگی اس کے ماننے والوں کے لیے قابل ِتقلید نہیں بنی، ورنہ چین، جاپان، سیام، وانام، تبت اور برما کی سلطنتیں، صنعتیں اور دیگر کاروباری مشاغل فوراً بند ہوجاتے اور بجائے آباد شہروں کے صرف سنسان جنگل رہ جاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں جنگ و سپہ سالاری کا پہلو نمایاں ہے۔ اس کے علاوہ ان کے پیروکاروں کے لیے دنیاوی حقوق و فرائض کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغمبرانہ طرزِ عمل یقیناً ہر حرف گیری سے پاک ہوگا، مگر ان کی موجودہ سیرت کی کتابیں ان اَبواب سے خالی ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں، انجیل کے مطابق ان کے بھائی بہن بلکہ مادی باپ تک بھی تھا۔ مگر اُن کی سیرت اِن رشتہ داروں سے آپ کا طرزِ عمل اور سلوک نہیں بتاتی۔ دنیا ہمیشہ انہی تعلقات سے آباد رہی ہے اور رہے گی۔ آپ نے محکومانہ زندگی بسر کی، اس لیے ان کی سیرت حاکمانہ فرائض کی مثالوں سے خالی ہے۔

④ عملیت

'آئیڈیل لائف' کا آخری معیار عملیت ہے۔ یعنی بانیٔ مذہب جو تعلیم دیتا ہے، اس پر خود عمل کر کے اس تعلیم کو قابلِ عمل ثابت کیا ہو۔ انسانی سیرت کے کامل ہونے کی دلیل اس کے نیک اقوال ونظریات نہیں بلکہ اس کے اعمال وکارنامے ہوتے ہیں۔

عزیزو! جس نے اپنے دشمن پر قابو نہ پایا ہو، وہ معاف کرنے کی عملی مثال کیسے دکھا سکتا ہے۔ جس کے پاس کچھ نہ ہو، وہ غریبوں کی مدد کیسے کرسکتا ہے۔ جو بیوی بچے اور عزیز واحباب نہ رکھتا ہو، وہ انہی تعلقات سے آباد دنیا کے لیے مثال کیونکر بن سکتا ہے۔ جسے دوسروں کو معاف کرنے کا موقع نہ ملا ہو، اس کی زندگی غصہ آور لوگوں کے لیے نمونہ کیسے بنے گی۔ اس معیار پر بھی سیرت محمدی ﷺ کے سوا کوئی دوسری سیرت پوری نہیں اتر سکتی۔ آئیڈیل اور نمونۂ اتباع شخصیت کی سیرت میں یہ چار باتیں پائی جانی چاہئیں:

تاریخیت، جامعیت، کاملیت اور عملیت

میرا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی سیرتیں ان خصوصیات سے خالی تھیں، بلکہ اُن کی سیرتیں جو عام انسانوں تک پہنچیں، وہ اِن خصوصیات سے خالی ہیں۔ ایسا ہونا مصلحت الٰہی کے مطابق تھا تاکہ یہ ثابت ہوسکے کہ وہ انبیا محدود زمانہ اور متعین قوموں کے لیے تھے، اس لیے ان کی سیرتوں کو آئندہ زمانہ تک محفوظ رکھنا ضروری نہیں تھا۔ صرف حضرت محمد ﷺ تمام اقوام کے لیے اور دائمی نمونۂ عمل بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل اور ہمیشہ کے لیے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی۔ یہی 'ختم نبوت' کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے۔

آئیے! اب اِن چاروں معیاروں کے مطابق پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ مبارکہ پر نظر ڈالیں:

① سیرتِ محمدی ﷺ کی تاریخیت

سب سے پہلی چیز 'تاریخیت' ہے۔ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر اور ہر اس چیز اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی آپ ﷺ کی ذاتِ مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی ہے اس پر دنیا

حیرت زدہ ہے۔ آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور متعلقاتِ زندگی پر مشتمل سرمایہ روایت ضبطِ تحریر ہو چکا تو اسے روایت کرنے والے صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے راویوں کے نام، حالات اور اخلاق و عادات کو بھی لکھا گیا۔ جن کی تعداد جرمن ڈاکٹر اسپرنگر کے نزدیک پانچ لاکھ ہے۔

حیاتِ نبوی ﷺ کے آخری سال حجۃ الوداع میں حاضر صحابہ کرامؓ کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی جن میں سے گیارہ ہزار کے نام و احوال آج تحریری شکل میں محفوظ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال اور واقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا ہے۔ ہزاروں صحابہؓ نے جو کچھ دیکھا اور جانا، وہ سب دوسروں کو بتایا۔ صحابہ کرامؓ کے بعد فوراً ہی دوسری نسل ان معلومات کی حفاظت کے لیے کھڑی ہوگئی۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اپنی احادیث دوسروں تک پہنچانے کی تاکید کے ساتھ یہ تنبیہ بھی کر دی تھی کہ ''جو کوئی میرے متعلق قصداً جھوٹ منسوب کرے، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔'' اس اعلان کا اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہؓ روایتِ حدیث کرتے وقت کانپتے تھے۔

عربوں کا حافظہ تیز تھا۔ یہ فطری قاعدہ ہے کہ جس قوت سے جتنا کام لیا جائے، اتنا ہی وہ ترقی پاتا ہے۔ صحابہؓ اور تابعین نے قوتِ حفظ کو معراجِ کمال تک پہنچایا۔ ایک ایک محدث کو کئی کئی ہزار اور کئی لاکھ احادیث یاد تھیں۔

ابتدا میں صحابہؓ نے احادیث کو لکھنا بوجوہ مناسب نہ سمجھا، مثلاً:

① آغاز میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے علاوہ کچھ اور لکھنے سے منع فرمایا تھا تاکہ قرآن اور غیر قرآن آپس میں مل نہ جائیں۔ ازاں بعد قرآن مکمل محفوظ ہونے پر احادیث لکھنے کی اجازت مل گئی۔

② صحابہ کرام کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ تحریری مجموعہ پاس ہونے سے لوگ حفظ کرنے سے جی چرانے لگیں گے۔

③ عربوں میں ابھی تک کوئی واقعہ لکھ کر محفوظ رکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ وہ کوئی چیز تحریر کر بھی لیتے تھے تو اسے چھپائے رکھتے تھے۔

حضرات! عہد نبوی ہی میں احادیث کا تحریری سرمایہ جمع ہونا شروع ہو چکا تھا۔ فتح مکہ پر رسول اللہ ﷺ کا خطبہ لکھا گیا۔ آپ نے مختلف حکمرانوں کو تحریری خطوط روانہ کیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ نے خود آپ سے سن کر احادیث لکھی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت ابوبکر بن عمرو بن حزم ؓ اور متعدد اشخاص کے پاس زکوٰۃ کے احکام لکھے ہوئے تھے۔ حضرت علی ؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم ؓ جو یمن کے گورنر تھے، اُنہیں میراث، صدقات او۔ دیت سے متعلق ہدایات لکھ کر دیں۔ حضرت وائل بن حجر ؓ اپنے وطن واپس ہوئے تو آپ ﷺ نے اُنہیں ایک تحریر لکھوادی جس میں نماز، روزہ، سود، شراب اور دیگر احکام تھے۔ غالباً ملکِ یمن سے حضرت معاذ بن جبل ؓ نے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریری جواب دیا کہ سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ حضرت عمر ؓ کے پوچھنے پر حضرت ضحاک ؓ نے بتایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں لکھوایا کہ شوہر کی دیت میں بیوی کا حصہ ہے۔

حضرت ابن عباس ؓ سے روایات کا ایک تحریری مجموعہ اہل طائف کے پاس تھا۔ حضرت جابر ؓ سے روایتوں کا ایک مجموعہ وہب نے اور دوسرا سلیمان بن قیس نے تیار کیا تھا۔ حضرت سمرۃ بن جندب ؓ سے اُن کے بیٹے ایک نسخہ روایت کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ حافظِ حدیث حضرت ابوہریرہ ؓ تھے۔ حضرت انس ؓ دوسرے صحابی ہیں جن سے بکثرت احادیث مروی ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ رسول اللہ ﷺ کے غلام ابورافع ؓ سے آپ کے کارنامے لکھا کرتے تھے۔ آپ کے خادم حضرت ابن مسعود ؓ یہ کہتے تھے کہ لوگ اُن سے سنتے اور پھر جا کر اسے کر لکھ لیتے ہیں۔ ان کے بیٹے عبدالرحمن ایک کتاب لائے اور قسم کھا کر کہا کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے خود لکھی ہے۔

دوستو! اگر تحریر ہی قابل وثوق ہے تو عہد نبوی میں صحابہ ؓ نے احادیث لکھیں۔ صحابہ ؓ ہی کی زندگی میں زہری ؒ، ہشام ؒ، قیس ؒ، عطا ؒ، سعید بن جُبیر ؒ اور سینکڑوں تابعین نے یہ تمام روایات تحقیق کر کے ہمیں فراہم کر دیں۔ صرف امام زہری ؒ ہی کا تحریری مواد اتنا تھا کہ کتابیں جانوروں پر لاد کر لائی گئیں۔ بطورِ مثال امام زہری ؒ نے اتنی محنت سے احادیث نبوی جمع کیں کہ وہ مدینہ کے ایک ایک شخص حتی کہ پردہ نشین خواتین سے جا کر رسول اللہ ﷺ کے اقوال وحالات پوچھتے اور اُنہیں قلمبند کرتے تھے۔

یہ غلط ہے کہ تدوین و تحریرِ حدیث کا کام ایک سو برس بعد تابعین نے شروع کیا۔ تابعین وہ شخصیات ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات نصیب نہیں ہوئی مگر وہ صحابہ کرامؓ سے مستفید ہوئے، خواہ وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوں یا آپ کی رحلت (۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوئے، وہ سب تابعین ہیں۔ آپ کی زندگی ہی میں تابعین کا عہد کم از کم ۱۱ ہجری سے شروع ہوگیا تھا۔ لہٰذا جو کام ۱۱ھ میں شروع ہوا، کہا جاسکتا ہے کہ اس کا آغاز تابعین نے کیا۔

مسلمانوں کے فنِ سیرتِ نبوی کا پہلا اُصول یہ تھا کہ واقعہ اس شخص کی زبان سے بیان ہو جو خود شریکِ واقعہ تھا، ورنہ شریکِ واقعہ تک تمام درمیانی راویوں کے نام بالترتیب بتائے جائیں۔ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ وہ کون تھے، ان کے مشاغل اور چال چلن کیسی تھی، ثقہ تھے یا غیر ثقہ، نکتہ رس تھے یا سطحی الذہن اور عالم تھے یا جاہل؟ ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں کھپا دیں، ہزاروں میلوں کا سفر کیا اور لاکھوں لوگوں سے ملے۔

پھر عقلی اعتبار سے روایات پرکھنے کے اُصول الگ ترتیب دیئے۔ راویوں کی چھان بین میں اتنی دیانتداری دکھائی کہ وہ واقعات اسلام کا فخر ہیں۔ راویوں میں بڑے بڑے حکمران اور اُمرا بھی تھے مگر محدثین نے بلاخوف سب کو وہی درجہ دیا جو اُنہیں مل سکتا تھا۔ وکیعؒ کے والد سرکاری خزانچی تھے مگر جب وکیعؒ ان سے روایت کرتے تو اُن کی تائید میں ایک اور راوی کو ضرور شامل کرلیتے، یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت تسلیم نہ کرتے۔ معاذؒ بن معاذ کو دس ہزار دینار پیش کیے گئے کہ وہ ایک شخص کے متعلق خاموش رہیں اور اسے معتبر یا غیر معتبر کچھ نہ کہیں۔ معاذؒ نے اشرفیوں کا توڑا حقارت سے ٹھکرا دیا۔

محدثین نے جھوٹی اور ضعیف روایتیں بھی محفوظ کیں تاکہ مخالفین یہ کہہ نہ سکیں کہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر کی کمزوریاں چھپانے کے لیے کئی روایتیں غائب کر دیں۔ محدثین نے اپنے نبی ﷺ کی طرف منسوب صحیح و غلط سارا مواد لا کر سامنے رکھ دیا اور اُصول مقرر کرکے ان دونوں کے درمیان فرق بتا دیا۔ یہ تمام روایات آج بھی دنیا کے سامنے موجود ہیں اور انہی اصولوں کے تحت ہر واقعہ پر تحقیق کی جاسکتی ہے۔

عزیز جوانو! اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات

وواقعات پر مواد کے مآخذ کیا تھے۔ سیرتِ پاک ﷺ کا سب سے اہم، سب سے مستند اور صحیح ترین ماخذ خود قرآن ہے جس کی صحت و معتبری میں دشمن بھی شک نہ کر سکے۔ قبل از نبوت کی زندگی، یتیمی، غربت، تلاشِ حق، نبوت، وحی، اعلان و تبلیغ، معراج، مخالفین کی دشمنی، ہجرت، لڑائیاں اور اخلاق سب قرآن میں موجود ہیں۔

دوسرا ماخذ ایک لاکھ کے قریب احادیث ہیں۔ صحاحِ ستہ ہیں جن کا ایک ایک واقعہ تولا اور پرکھا ہوا ہے۔ مسانید ہیں جن میں ضخیم ترین امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۴ھ) کی المُسْنَد ہے۔ مسانید میں ہر صحابی کی روایتیں الگ الگ ہیں۔

تیسرا ماخذ مغازی ہیں جو زیادہ تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور لڑائیوں سے متعلق ہیں۔ مثلاً مغازی عروہ بن زبیرؒ (م ۹۴ھ)، مغازی زہریؒ (م ۱۲۴ھ)، مغازی ابن اسحٰقؒ (م ۱۵۰ھ) اور مغازی واقدیؒ (م ۲۰۷ھ) وغیرہ۔

سیرتِ محمدی کا چوتھا ماخذ کتب تاریخ ہیں۔ ان میں طبقات ابن سعدؒ (م ۲۰۷ھ)، تاریخ صغیر وکبیر امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) اور تاریخ طبریؒ (م ۳۱۰ھ) وغیرہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے معجزات اور روحانی کارناموں پر مشتمل کتب دلائل النبوت ہیں، مثلاً ابن قتیبہؒ (م ۲۷۶ھ)، بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) اور ابونعیم اصفہانیؒ (م ۴۳۰ھ) وغیرہ کی کتب۔ پھر آپ کے اخلاق اور معمولاتِ زندگی پر لکھی گئی کتب ہیں، مثلاً امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ)، ابوالعباس مستغفریؒ (م ۴۳۲ھ) اور قاضی عیاضؒ (م ۵۴۴ھ) کی کتابیں۔ پھر مکہ اور مدینہ پر کتابیں ہیں جن میں مقامی حالات اور مقامات کے نام ونشان ہیں جنہیں آپ ﷺ سے کوئی تعلق ہے، مثال کے طور پر ازرقی (م ۲۲۳ھ) کی اخبارِ مکہ اور ابن زبالہؒ کی اخبارِ مدینہ وغیرہ۔

عہدِ رسالت سے آج تک ہر زمانہ، ہر ملک اور ہر زبان میں آپ ﷺ پر لاتعداد کتب لکھی گئیں۔ ہر مصنف نے سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص سے سن اور پڑھ کر سیرتِ محمدی کو دوسروں تک پہنچایا۔ حدیث کی پہلی کتاب المَوطأ کو اس کے مصنف امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) سے ۶۰۰ لوگوں نے سنا جن میں حکمران، فقہا، علما، اُدبا اور صوفیا سب ہی تھے۔ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کی تصنیف الجامع الصحیح کو انکے صرف ایک شاگرد فربریؒ سے ساٹھ ہزار لوگوں نے سنا۔

بتاؤ! کس شارع یا بانیٔ دین کی سوانح عمری اس احتیاط اور اہتمام کے ساتھ مرتب ہوئی؟ یہ تاریخیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کس کے حصہ میں آئی؟

مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں نے بھی سینکڑوں کتابیں لکھی ہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کا پروفیسر مارگیولیوتھ بھی اپنی کتاب 'محمدؐ' (۱۹۰۵ء) میں یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوا کہ

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوانح نگاروں کا ایک نہ ختم ہونے والا طویل سلسلہ ہے، لیکن اس میں جگہ پالینا قابل عزت ہے۔''

جان ڈیون پورٹ ۱۸۷۰ء میں اپنی کتاب 'اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن' ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں:

''بلاشبہ تمام قانون سازوں اور فاتحین میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کے حالات زندگی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقائع عمری سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں۔''

② سیرتِ محمدی ﷺ کی کاملیت

حضرات! کوئی انسانی زندگی خواہ کتنی ہی تاریخی ہو، وہ جب تک کامل نہ ہو ہمارے لیے نمونہ نہیں بن سکتی، کسی زندگی کی کاملیت اس وقت تک ثابت نہیں ہوسکتی جب تک اس کے تمام اجزا ہمارے سامنے نہ ہوں۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی ولادتِ مبارک سے لے کر رحلت تک زندگی کا مختصر لمحہ بھی تاریخ کی آنکھ سے اوجھل نہیں ہے۔

بطورِ مثال امام ترمذیؒ کی 'شمائل ترمذی'، قاضی عیاضؒ کی 'الشفاء' اور حافظ ابن قیمؒ کی 'زاد المعاد' کے ابواب سے اندازہ لگالیں کہ آپ ﷺ کے جزئی واقعات بھی کس طرح قلم بند کیے گئے۔ مثلاً آپ کی شکل وصورت، اسماے گرامی، عمر، بال، کنگھی، خضاب، سرمہ، لباس، عمامہ، پائجامہ، موزے، پاپوش، انگوٹھی، خاموشی، گفتگو، تبسم، مزاح، خوشبو، تلوار، زرہ، خود، رفتار، نشست، تکیہ و بستر، وضو، پیالہ، کیا اور کیسے کھاتے پیتے، رات کو باتیں کرنے، سونے اور عبادت کرنے کے طریقے، گریہ، اخلاق، حجامت، خواب، خطبہ، سواری، سفر، جہاد، معمولاتِ عیادت و ملاقات، مجالس، اپنے اور دوسروں کے گھروں میں جانے کا انداز اور طریقہ، یادِ الٰہی، اللہ پر توکل، صبر وشکر، استقامتِ عمل، حسن معاملہ، عدل و انصاف، سخاوت، ایثار، مہمان نوازی، تحفے قبول کرنا، احسان نہ قبول کرنا، عدم

تشدد، مساوات، شرم وحیا، اپنے ہاتھ سے کام کرنا، ایفاے عہد، دشمنوں سے عفو و درگزر، غلاموں اور قیدیوں سے سلوک، اہل کتاب، منافقین اور غیر مسلموں سے برتاؤ، غریبوں سے محبت، بچوں پر شفقت، عورتوں سے برتاؤ، اولاد سے محبت، نکاح، بیویوں سے سلوک، ازدواجی تعلقات کا طریقہ، خرید و فروخت، حوائج ضروری کے آداب اور جانوروں سے سلوک اور اُن پر رحم وغیرہ۔

اس اجمالی تفصیل سے اندازہ لگالیں کہ جب ان جزئیات کو محفوظ رکھا گیا ہے تو بڑی اور اہم باتوں کی کیا کچھ تفصیل ہوگی۔

میرے دوستو! بڑے سے بڑا انسان جس کی ایک ہی بیوی ہو، یہ ہمت نہیں کرسکتا کہ بیوی کو یہ اجازت دے کہ تم میری ہر بات اور ہر حالت سب کو کہہ دو۔ رسول اللہ ﷺ کی نو بیویوں کو عام اجازت تھی کہ خلوت اور رات کی تاریکی میں مجھ میں جو دیکھو، وہ جلوت اور دن کی روشنی میں سب کو برملا بیان کردو۔ مسجد نبوی کے چبوترہ پر رہنے والے صحابہؓ دن رات آپ کے حالات دیکھنے اور اُنہیں دوسروں کو بیان کرنے میں مصروف رہتے۔ دن میں مدینہ کی تمام آبادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کا مشاہدہ کرتی۔ جنگوں میں ہزارہا صحابہؓ نے آپ کے شب و روز دیکھے۔ حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ صحابہؓ نے آپ کی زیارت کی۔ ہر شخص کو حکم تھا کہ آپ کی ہر حالت و کیفیت منظر عام پر لائی جائے۔ اس اخلاقی اعتماد کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟

رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اپنے پیروکاروں ہی کے درمیان نہیں رہے۔ آپ نے نبوت سے پہلے چالیس اور نبوت کے بعد تیرہ برس قریش مکہ میں گزارے جنہوں نے آپ کو صادق اور امین کا خطاب دیا۔ وہ آپ کے دعواے نبوت پر برہم ہوئے، گالیاں دیں، نجاستیں ڈالیں، پتھر پھینکے، قتل کی سازشیں کیں، ساحر، شاعر اور مجنون کہا، مگر کوئی آپ کے اخلاق و اعمال کے خلاف ایک حرف بھی نہ کہہ سکا۔

رسول اللہ ﷺ پر ابتدا میں ایمان لانے والے کوئی مچھیرے یا غلام قوم کے نہیں بلکہ ایک ایسی آزاد قوم کے لوگ تھے جو اپنی عقل و دانش میں ممتاز تھی۔ جو کبھی کسی کے محکوم نہیں ہوئے تھے۔ ان کی تجارت دنیا میں دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ بھلا ایسے لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حال چھپا رہ سکتا تھا؟

سیرتِ محمدی کے آئینہ میں دیکھ کر ہر شخص اپنے جسم و روح، ظاہر و باطن، قول و عمل اور آداب و رسوم کی اصلاح کرسکتا ہے۔ کوئی اور انسانی زندگی اس کاملیت کے ساتھ دنیا کے سامنے موجود نہیں ہے، اس لیے تمام انسانوں کے لیے یہی ایک کامل نمونہ ہے!

③ سیرتِ محمدی ﷺ کی جامعیت

حضرات! محبت اِلٰہی حاصل کرنے کے لیے ہر مذہب یہی بتاتا ہے کہ اس کے بانی کی نصیحتوں پر عمل کیا جائے۔ اسلام نے ایک بہتر تدبیر بتائی۔ اس نے اپنے پیغمبر کا عملی نمونہ سب کے سامنے رکھ دیا اور اللہ کی محبت اس عملی نمونہ کی پیروی سے مشروط کردی۔

کسی مذہب کے حلقۂ اطاعت میں شامل اشخاص مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں حکمران، رعایا، سپہ سالار، سپاہی، فاتح، مفتوح، جج، مفتی، غریب، دولتمند، عابد، زاہد، مجاہد، اہل وعیال، دوست واحباب، تاجر، خریدار، امام، مقتدی، اُستاد، شاگرد، جوان، بچے، شوہر اور باپ سب شامل ہیں جنہیں عملی نمونہ کی ضرورت ہے۔ اسلام اُنہیں اتباعِ سنّت نبوی کی دعوت دیتا ہے۔ پیغمبر اِسلام ﷺ کی سیرت میں ہر انسان کے لیے نمونے اور مثالیں ہیں۔

انسان مختلف لمحوں میں مختلف افعال کرتا ہے: چلنا، پھرنا، اُٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا، ہنسنا، رونا، پہننا، اُتارنا، نہانا، دھونا، لینا، دینا، سیکھنا، سکھانا، مرنا، مارنا، مہمان بننا، میزبانی کرنا، عبادت، کاروبار، راضی ہونا اور ناراض ہونا، خوش اور غمزدہ ہونا، کامیاب اور ناکام ہونا، شجاعت، بزدلی، غصہ، رحم، سخت گیری، نرم دلی، انتقام، معافی، صبر، شکر، توکل، رضا، قربانی و ایثار، عزم واستقلال، قناعت واستغنا، تواضع وانکساری، نشیب وفراز اور بلند و پست وغیرہ ان تمام افعالِ انسانی اور احساساتِ قلبی کی راہنمائی کے لیے ایک عملی نمونہ کی ضرورت ہے۔ ایک ایسا عملی نمونہ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صرف شجاعانہ قوتیں یا حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کا صرف نرم اخلاق ہی نہ ہو بلکہ یہ دونوں صفات معتدل حالت میں موجود ہوں۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت سلیمان، حضرت داؤد، حضرت ایوب، حضرت یونس حضرت یوسف اور حضرت یعقوب علیہم السلام سب کی زندگیاں سمٹ کر حضرت محمد ﷺ کی سیرت میں سما گئی ہیں۔

☜ دوستو! دنیا میں دو طرح کی تعلیم گاہیں ہیں: ایک وہ جہاں صرف ایک فن جیسے میڈیکل،

انجینئرنگ، آرٹ، تجارت، زراعت، قانون یا عسکری تعلیم دی جاتی ہے۔ دوسری یونیورسٹیاں ہیں جو ہر قسم کی تعلیم کا انتظام کرتی ہیں۔ صرف ایک ہی فن اور علم جاننے والوں سے انسانی سوسائٹی مکمل نہیں ہوسکتی بلکہ وہ ان سب کے مجموعہ سے کمال کو پہنچتی ہے۔

آؤ! اب اس معیار سے مختلف انبیاے کرام کی سیرتوں پر غور کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی تعلیم گاہ میں صرف فوج کے افسر و سپاہی، قاضی اور کچھ مذہبی عہدیدار ملتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے مکتب میں چند زاہد فقرا فلسطین کی گلیوں میں ملیں گے۔

لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاں اصحمہ حبشہ کا نجاشی بادشاہ، عامر بن شہرؓ ہمدان کا رئیس، بلالؓ جیسے غلام اور سمیہؓ جیسی لونڈیاں سب ہیں۔ ملکوں کے فرمانروا، دنیا کے جہانبان، عقلاے روزگار اور اسرارِ فطرت کے محرم اس درسگاہ سے تعلیم پا کر نکلے ہیں۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ ہیں جن کی مشرق سے مغرب تک فرمانروائی اور عدل و انصاف کے فیصلے ایرانی دستور اور رومی قانون کو بے اثر کر دیتے ہیں۔ خالد بن ولیدؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابوعبیدہ بن جراحؓ اور عمرو بن العاصؓ دنیا کے فاتح اعظم اور سپہ سالار اکبر ثابت ہوتے ہیں۔ عمرؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، عبداللہؓ بن عمرو بن العاص، عائشہؓ، اُم سلمہؓ، اُبی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ اور زید بن ثابتؓ وغیرہ جیسے فقہا نے دنیا کے قانون سازوں میں بلند درجہ پایا۔

ستر صحابہؓ پر مشتمل اہل صفہ جن کے پاس مسجد نبوی کے چبوترہ کے سوا کوئی اور جگہ نہیں تھی، دن کو مزدوری کرتے اور رات عبادت میں گزارتے تھے۔ ابوذر غفاریؓ نے دربارِ رسالت سے مسیح اسلام کا خطاب پایا۔ سلمان فارسیؓ زہد و تقویٰ کی تصویر ہیں۔ بہادر کارپردازوں اور مدبرین میں طلحہؓ، زبیرؓ، مغیرہؓ، مقدادؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ ہیں۔ سمیہؓ، یاسرؓ اور خبیبؓ جیسے بے گناہ مقتول ہیں جنہوں نے جانیں قربان کر دیں مگر حق کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بلالؓ، خبابؓ، عمارؓ، زبیرؓ، سعیدؓ بن زید جیسے بھی ہیں جنہوں نے کفارِ مکہ کے مظالم برداشت کیے۔

میرے عزیزو! درسگاہیں اپنے شاگردوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ تعلیم انسانی کی ان درسگاہوں کا جن کے اساتذہ انبیا کرام ہیں، جائزہ لیں تو کہیں دس بیس، کہیں ساٹھ ستر، کہیں سو دو سو، کہیں ہزار دو ہزار اور کہیں پندرہ بیس ہزار طالب علم آپ کو ملیں گے۔ جب مدرسہ نبوت کی آخری تعلیم گاہ کو

دیکھیں گے تو ایک لاکھ سے زیادہ طلبا بیک وقت نظر آئیں گے۔ دوسری نبوت گاہوں کے طلبہ کہاں کے تھے، کون تھے، اُن کے اخلاق وعادات و دیگر سوانح زندگی کیا تھے؟ اس کا کوئی جواب نہیں مل سکتا۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی درسگاہ کے ہر طالب علم کی ہر چیز معلوم ہے۔ اس درسگاہ کے بانی کی دعوت جامع اور عالمگیر تھی کہ نسل آدم کا ہر فرزند اور ارضِ خاکی کا ہر باشندہ اس میں داخل ہو یا داخلہ کے لیے اسے آواز دی گئی۔

تورات کے انبیا عراق یا شام یا مصر سے آگے نہیں بڑھے۔ عربوں کے قدیم انبیا بھی اپنی قوموں سے باہر نہیں گئے۔ حضرت عیسیٰؑ کے مکتب میں بھی غیر اسرائیلی طالب علم کا وجود نہیں تھا۔ ہندوستان کے داعی آریہ ورت سے باہر نکلنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اگرچہ بدھ کے پیروؤں نے بدھ مت دوسری قوموں تک پہنچایا مگر یہ عیسائیوں کی طرح بعد کے پیروؤں کا فعل تھا۔

اب ذرا محمد رسول اللہ ﷺ کی درسگاہ دیکھیں: ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ مکہ کے، ابوذرؓ اور انسؓ تہامہ کے، ابوہریرہؓ اور ابوموسیٰؓ اور معاذؓ یمن کے، منذرؓ بحرین کے، عبیدؓ و جعفرؓ عمان کے، فردہؓ شام کے، بلالؓ حبشہ کے، صہیبؓ روم کے اور سلمانؓ ایران کے رہنے والے ہیں۔ پیغمبر اسلام ۶ھ میں تمام قوموں کے سلاطین اور حکمرانوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجتے ہیں۔ درسگاہِ محمدی میں یہ جامعیت نمایاں ہے کہ اس میں داخلہ کے لیے رنگ، وطن، نسل اور زبان شرط نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے داخلہ کھلا ہے۔

دوستو! آپ نے درسگاہِ محمدی کی پوری سیر کر لی جس میں آپ نے ہر رنگ اور ہر ذوق کے طالب علم دیکھے۔ آپ نے کیا فیصلہ کیا؟ اس کے سوا کیا فیصلہ ہوسکتا ہے کہ محمد رسول اکرم ﷺ کی ذات انسانی کمالات اور صفاتِ حسنہ کا کامل مجموعہ تھی۔ آپ کا وجودِ مبارک ایک ابرِ باراں تھا جو پہاڑ، جنگل، میدان، کھیت، ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا اور قسم قسم کے درخت اور رنگارنگ پھول اور پتے اُگ رہے تھے۔

④ سیرتِ محمدی ﷺ کی عملیت

عزیز جوانو! یہ انبیائے کرام اور بانیانِ مذاہب کی موجودہ سیرتوں کا وہ باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے، لیکن حضرت محمد ﷺ کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے۔ سیرتِ محمدی کا روشن

ترین پہلو یہ ہے کہ آپ نے بطورِ پیغمبر اپنے پیروکاروں کو جو نصیحت فرمائی، اس پر پہلے خود عمل کرکے دکھادیا۔

عام پیروکاروں کو دن میں پانچ وقتوں کی نمازوں کا حکم تھا، مگر آپ ﷺ نے آٹھ وقت نماز پڑھی۔ عام مسلمانوں پر روز وشب میں سترہ رکعتیں فرض ہیں، مگر آپ ہر روز کم وبیش پچاس ساٹھ رکعتیں اَدا فرماتے تھے۔ پنجگانہ نمازیں فرض ہونے کے بعد نمازِ تہجد مسلمانوں کو معاف ہوگئی تھی مگر آپ اسے تمام عمر ہر شب اَدا فرماتے رہے۔ مکہ میں کئی دفعہ دشمنوں نے دورانِ نماز آپ پر حملہ کیا۔ دشمنوں کے خلاف معرکوں حتی کہ مرض الموت میں بھی آپ کی نماز ترک نہ ہوئی۔ ساری زندگی میں صرف دو مرتبہ نماز قضا ہوئی۔

آپ ﷺ نے روزہ کا حکم دیا۔ مسلمانوں پر سال میں تیس روزے فرض ہیں، مگر آپ کا کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہ جاتا تھا۔ آپ دو دو تین تین دن بغیر کھائے پیئے متصل روزہ رکھتے تھے۔

آپ نے زکوٰۃ اور خیرات کا حکم دیا تو پہلے خود اس پر عمل کرکے دکھایا۔ جو کچھ آیا، سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ فتح خیبر کے بعد سال بھر کا غلّہ ازواجِ مطہرات کو دے دیا جاتا تھا مگر سال ختم ہونے سے پہلے وہ ختم ہو جاتا، اس لیے کہ اس کا بڑا حصہ اہل حاجت کی نذر کر دیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ بحرین سے خراج کا مال آیا۔ فرمایا: مسجد میں ڈال دو۔ صبح نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ جب سب ختم ہوگیا تو دامن جھاڑ کر یوں کھڑے ہو گئے کہ یہ گویا غبار تھا جو دامن پر پڑ گیا تھا۔ ایک دفعہ نمازِ عصر ادا کرنے کے بعد خلافِ معمول فوراً تشریف لے گئے اور پھر باہر آئے۔ پوچھنے پر فرمایا: ''مجھے نماز میں یاد آیا کہ سونے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا ہے، خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آجائے اور وہ محمد کے گھر پڑا رہ جائے۔''

آپ نے زہد وقناعت کی تعلیم دی تو پہلے خود اس پر عمل کرکے دکھایا۔ فتوحات کی وجہ سے جزیہ، زکوٰۃ، عشر اور صدقات کے خزانے لدے چلے آتے تھے مگر آپ کے گھر میں وہی فقر وفاقہ تھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ رحلت فرما گئے مگر آپ کو دو وقت بھی سیر ہو کر کھانا نصیب نہ ہوا۔ آپ کی رہائش ایک کمرہ تھی جس کی دیوار کچی اور چھت کھجور کے پتوں اور اونٹ کے بالوں سے

بنی تھی۔ آپ کا کپڑا کبھی تہہ کر کے نہیں رکھا جاتا تھا، یعنی جو بدنِ مبارک پر کپڑا ہوتا تھا، اس کے سوا کوئی اور کپڑا ہی نہیں تھا جو تہہ کیا جاتا۔

آپ نے مساوات کی تعلیم دی۔ آپ نے خود مساوات، اخوتِ انسانی، اور جنسِ انسانی کی برابری کی یہ عملی مثال پیش کی کہ ایک غلام کو اپنا فرزندِ متبنیٰ بنایا، اپنی پھوپھی زاد بہن کو ایک غلام سے بیاہا اور مطلقہ عورتوں سے شادی کی۔

آپ نے ایثار کی تعلیم دی تو ایثار میں بھی اپنا نمونہ پیش کیا۔ آپ کے پاس چادر نہیں تھی۔ ایک صحابیہؓ نے چادر لا کر پیش کی۔ کسی نے کہا: کتنی اچھی چادر ہے۔ آپ نے چادر فوراً اُتار کر اسے دے دی۔

عزیزو! آؤ دشمنوں کو پیار کرنے کی عملی مثال پیغمبر اسلام ﷺ میں آپ کو دکھاؤں۔ مکی حالات چھوڑتا ہوں کہ محکومی، بیکسی اور معذوری، عفو و درگذر اور رحم کے ہم معنی نہیں ہوتے۔ ہجرت کے وقت سو اُونٹ کے لالچ میں محمد ﷺ کا تعاقب کرنے والے سراقہؓ کی جان بخشی کر دی۔ کفار کے سرغنہ ابو سفیانؓ ہند کو فتح مکہ کے دن معافی مل گئی۔ سب سے بڑے دشمن ابوجہل کے بیٹے عکرمہؓ آئے تو فرمایا: ''اے مہاجر سوار! تمہارا آنا مبارک۔'' یہ اسے کہا گیا جس نے آپ ﷺ پر نجاست ڈلوائی، حالت نماز میں آپ پر حملہ کیا اور آپ کے گلے میں چادر ڈال کر قتل کرنا چاہا۔ پیغمبر اسلام کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے قاتل ہبار بن الاسود کو معاف کر دیا گیا۔ زہر بجھی تلوار سے قتل کے لیے آنے والا عمیر بن وہب گرفتار ہونے پر رہا کر دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے آپ پر پتھر برسانے والوں، آپ کا دانت شہید اور چہرہ خون آلود کرنے والوں کے لیے دعائی۔

آپ کو جھٹلانے، گالیاں دینے، راستے میں کانٹے بچھانے اور غریب و بیکس مسلمانوں کو ستانے والے سردارانِ قریش فتح مکہ کے دن صحنِ حرم میں سر جھکائے سامنے بیٹھے تھے۔ پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک اشارہ کی منتظر تھیں، لیکن وہ سب معاف کر دیئے گئے۔

میرے دوستو! کیا پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا، انسانی تاریخ میں ایسی عملی ہدایتوں اور کامل مثالوں کا کوئی اور نمونہ کہیں نظر آتا ہے؟

اُصولِ حدیث

محمد خُبیب احمد☆

التحقیق والتنقیح في مسئلة التدلیس

امام الشافعیؒ کے قول کے تناظر میں

علم اُصولِ حدیث کے ذریعے محدثینِ عظام نے ۱۴ صدیوں پہلے نبی کریم ﷺ کی طرف ہر منسوب بات کی غلطی وصحت جانچنے کے لئے ایسے بہترین اُصول وضع کئے جن میں آج تک کوئی اضافہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

کسی بھی قول کے مستند ہونے کے لئے راویوں کا سلسلۂ اسناد متصل ہونا ازبس ضروری ہے اور یہ اتصالِ سند کسی حدیث کے صحیح ہونے کی پہلی شرط ہے۔ سند میں یہ انقطاع اگر ظاہری ہو یعنی کسی مرحلہ پر راویوں کا سلسلہ منقطع ہو تو اس کو عام علما بھی جان سکتے ہیں۔ تاہم بعض راویانِ حدیث سند کے مخفی عیب/انقطاع کو دانستہ یا نادانستہ طور پر چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے اس طرزِ عمل کو اُصولِ حدیث کی اصلاح میں 'تدلیس' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کی متعدد اقسام کی بنا پر اس کا حکم بھی مختلف ہے۔

مگر بعض حضرات جبلِ علم امام شافعیؒ کے قول (چند صفحات کے بعد ملاحظہ کریں) کو اَساس قرار دے کر سبھی مدلِّسین کی مرویات سے مساوی سلوک کرتے ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک جس راوی نے بھی زندگی میں صرف ایک بار تدلیس کی تو اس کی ہر مُعنعن روایت ناقابل قبول ہوگی اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ اسے 'جمہور محدثین' کا منہج باور کراتے ہیں جو سراسر حقیقت کے منافی ہے۔ درج ذیل تحریر میں مدلسین کے بارے میں صحیح موقف کے تعین کی کوشش کی گئی ہے اور جمہور محدثین کے اصل موقف کو پیش کیا گیا ہے۔

تدلیس کے لغوی معنی

'تدلیس' کے لغوی معنی پوشیدگی اور پردہ پوشی کے ہیں۔ اسی سے الدَلس (دال اور لام کی

☆ معاونِ تحقیق، ادارہ علوم اثریہ، فیصل آباد

www.KitaboSunnat.com

زبر کے ساتھ) ہے جس کا مطلب ہے: اختلاط النور بالظلمَة یعنی ''اندھیرے اور اُجالے کا سنگم'' دلس البائع کے معنی: بائع کا خریدار سے سودے کے عیب کو چھپانا ہے۔

(مزید تفصیل: الصحاح للجوهري: ۲/۹۲۷، لسان العرب: ۷/۳۸۹، تاج العروس: ۴/۱۵۳)

اِصطلاحی تعریف

اگر راوی اپنے ایسے اُستاد جس سے اس کا سماع یا معاصرت ثابت ہے وہ روایت عَن ، أنَّ ، قَال ، حدَّث وغیرہ الفاظ سے بیان کرے، جسے درحقیقت اُس نے اپنے اُستاد کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے سنا ہے اور سامعین کو یہ خیال ہو کہ اس نے یہ حدیث اپنے اُستاد سے سنی ہوگی تو اسے 'تدلیس' کہا جاتا ہے۔ (معرفة أنواع علم الحديث لابن الصلاح: ص۶۶)

تدلیس کی مرکزی قسمیں دو ہیں:

① تدلیس الاسناد

اس کی دو تعریفیں ہیں:

① راوی کا اپنے اُستاد سے ایسی اَحادیث بیان کرنا جو دراصل اُس نے اِس اُستاد کے علاوہ کسی اور سے سنی ہیں۔

② راوی کا اپنے ایسے معاصر سے روایت کرنا جس سے اس کی ملاقات ثابت نہیں ہوتی اور ایسے صیغوں سے بیان کرنا جس سے یہ شبہ پیدا ہو کہ راوی نے مروی عنہ سے اس حدیث کی سماعت کی ہے۔

پہلی صورت کی تفصیل یہ ہے کہ راوی نے اپنے کسی شیخ سے چند اَحادیث بالمشافہ سماعت کی ہوتی ہیں مگر اس کے ہاں کچھ ایسی بھی اَحادیث ہوتی ہیں جنہیں اس شیخ سے بالمشافہ سماعت نہیں کیا ہوتا بلکہ اُس راوی سے سنا ہوتا ہے جس نے مدلس کے شیخ سے سنی ہوتی ہیں۔ وہ اس واسطہ کو گرا کر اپنے شیخ سے براہِ راست ایسے صیغوں سے بیان کرتا ہے جو صراحتاً اتصال پر دلالت کرتے ہیں اور نہ صراحتاً عدمِ اتصال پر، مگر عرفِ عام میں وہ سماع پر محمول کیے جاتے ہیں۔ اس صورت کے تدلیس ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔

دوسری صورت کی توضیح یہ ہے کہ راوی اپنے ایسے معاصر جس سے اس نے کچھ سنا نہیں

www.KitaboSunnat.com

ہوتا اور بسا اوقات اس کی مروی عنہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں ہوتی، سے ایسے ہی صیغوں سے بیان کرتا ہے جن میں سماع اور عدمِ سماع دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اگر یہ مدلسین کوئی ایسا صیغہ استعمال کریں جو تحدیث یا سماع پر دلالت کرے اور اس میں تاویل کی بھی کوئی گنجائش نہ ہو تو وہ صیغہ جھوٹ ہوگا جس کا مرتکب متروک درجے کا راوی ہوگا۔

حافظ ابن حجرؒ اور ان کے مابعد محدثین نے تدلیس الاسناد کی اس دوسری صورت کو 'اِرسال خفی' قرار دیتے ہوئے تدلیس سے خارج قرار دیا ہے۔ (النکت لابن حجر: ۲/۶۱۴، ۶۲۲ تا ۶۲۴)

مگر معلوم ہوتا ہے کہ 'ارسالِ خفی' بھی تدلیس کی ذیلی قسم ہے، مستقل قسم نہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ فرما رہے ہیں۔

تدلیس الاسناد کی اس مختصر وضاحت کے بعد اب ہم اس کی ذیلی اَقسام کی طرف چلتے ہیں جس میں تدلیس التسویۃ، تدلیس السکوت، تدلیس القطع، تدلیس العطف اور تدلیس الصیغ شامل ہیں۔

① تدلیس التسویۃ

اس کی تعریف ہے کہ مدلس راوی اپنے کسی ایسے ثقہ اُستاد سے حدیث سنتا ہے جس نے وہ حدیث ضعیف راوی سے سنی ہوتی ہے اور وہ ضعیف راوی آگے ثقہ یا صدوق راوی سے اس حدیث کو بیان کرتا ہے۔ گویا دو ثقہ راویوں کا درمیانی واسطہ ایک ضعیف راوی ہوتا ہے۔

مدلس راوی ان دونوں ثقہ راویوں کے درمیان سے ضعیف راوی کو گرا کر ثقہ کو ثقہ سے ملا دیتا ہے اور سند کو بظاہر عمدہ بنا دیتا ہے، کیونکہ پہلے ثقہ راوی کا دوسرے ثقہ راوی سے سماع ثابت ہوتا ہے یا کم از کم وہ دونوں ہم عصر ہوتے ہیں۔ دیکھئے: (الکفایۃ: ۲/۳۹۰)

ایسا فعل صفوان بن صالح الدمشقي اور محمد بن مصفّٰی سے منقول ہے۔

تدلیس التسویۃ تدلیس کی بدترین قسم ہے۔ محدثین نے تدلیس کی جو شدید مذمت کی ہے، ان اَسباب میں سے ایک سبب تدلیس التسویۃ بھی ہے۔

② تدلیس السکوت

تدلیس الاسناد کی ذیلی اقسام میں دوسری قسم یہ ہے کہ مدلس راوی حدثنا وغیرہ کہہ کر خاموش ہوجاتا ہے اور دل ہی میں اپنے شیخ کا نام لیتا ہے، پھر روایت آگے بیان کرنا شروع

www.KitaboSunnat.com

کر دیتا ہے جس سے سامعین کو شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حدثنا کا قائل وہی ہے جو مدلس نے بہ آواز بلند ذکر کیا ہوتا ہے۔ ایسا فعل عمر بن عبید طنافسی سے مروی ہے۔ (النکت لابن حجر:۲/۶۱۷) ابن حجرؒ نے مذکورہ کتاب میں اسے تدلیس القطع قرار دیا ہے۔

③ تدليس القطع

تدلیس الاسناد کی تیسری قسم تدليس القطع ہے جس میں مدلس راوی صیغۂ اَدا حذف کر دیتا ہے اور بطورِ مثال الزهري عن أنس پر اکتفا کرتا ہے۔ (تعريف أهل التقديس لابن حجر :ص۱۶) اس تدلیس کو تدليس الحذف بھی کہا جاتا ہے۔

④ تدليس العطف

چوتھی قسم تدليس العطف ہے جس میں مدلس راوی اپنے دو اساتذہ، جن سے اس کا سماع ثابت ہوتا ہے، سے روایت بیان کرتا ہے۔ مگر وہ روایت اس نے صرف پہلے اُستاد سے سنی ہوتی ہے، اس لیے اس سے سماع کی تصریح کر دیتا ہے اور دوسرے استاد کو پہلے اُستاد پر عطف کر دیتا ہے اور یہ باور کراتا ہے کہ میں نے یہ روایت ان دونوں اساتذہ سے سماعت کی ہے۔ جیسے ہشیم بن بشیر نے کہا: حدثنا حصين ومغيرة حالانکہ ھُشیم نے اس مجلس میں بیان کردہ ایک حرف بھی مغیرہ سے نہیں سنا۔ (معرفة علوم الحديث للحاكم:ص۱۰۵، جزء في علوم الحديث لأبي عمرو الداني: ص۳۸۲،۳۸۳ رقم ۹۴)

⑤ تدليس الصيغ

پانچویں قسم یہ ہے کہ مدلس راوی اپنے شیخ سے روایت کرنے میں ایسے صِیَغ اَدا استعمال کرتا ہے جس کے لیے وہ اصطلاحات وضع نہیں کی گئیں۔ مثلاً غیر مسموع روایت پر حدثنا کا اطلاق کرنا جیسے فطر بن خلیفہ کا طرزِ عمل تھا۔ (الضعفاء الكبير للعقيلي:۳/۴۶۵، فتح المغيث للسخاوي:۱/۲۱۱،۲۱۲)

اسی طرح إجازة بدون سماع والی روایت کو أخبرنا سے بیان کرنا جیسے امام ابونعیمؒ اور دیگر اَندلسیوں کا یہی طریقہ تھا۔ (سير أعلام النبلاء للذهبي:۱۷/۴۶۰)

اسی طرح وِجادة پر حدَّثنا کا اطلاق کرنا جیسے اسحٰق بن راشد کا رویہ تھا۔

www.KitaboSunnat.com

(معرفة علوم الحدیث للحاکم:ص۱۱۰)

یہ بات بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ علامہ الشریف حاتم نے (المرسل الخفي:۱/ ص۵۳۰،۵۳۱) میں اس نوع کے آٹھ مدلسین ذکر کیے ہیں اور شرح الموقظة للذهبي میں نویں مدلس میسّب بن رافع کا بھی اضافہ کیا ہے۔ (شرح موقظة الذهبي للعوني:ص۱۲۴)

❷ تدلیس الشیوخ

مدلس راوی نے جس اُستاذ سے حدیث سنی ہوتی ہے، اس کا ایسا وصف بیان کرتا ہے جس سے اس کی شخصیت مجہول ہوجاتی ہے یا پھر سامعین کی توجہ اسی نام کے کسی دوسرے شیخ کی طرف مائل ہوجاتی ہے مثلاً وہ اس کا غیر معروف نام، کنیت، قبیلے یا پیشے کی طرف نسبت کردیتا ہے۔ تدلیس کی اس نوع میں صیغ اَدا میں تدلیس نہیں ہوتی اور نہ ہی سند سے کسی راوی کا اسقاط ہوتا ہے، محض شیخ کا نام وغیرہ تبدیل کردیا جاتا ہے۔ بنابریں ایسی تدلیس میں مدلس کا عنعنہ اور صراحتِ سماع دونوں یکساں ہیں۔ (معرفة أنواع علم الحدیث لابن الصلاح:ص۶۶، إرشاد طلاب الحقائق للنووي:۱/۲۰۷،۲۰۸)

تدلیس الشیوخ کی ذیلی قسم تدلیس البلدان ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

تدلیس البلدان

حافظ ابن جوزیؒ اس کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بغداد میں ایک طالبِ حدیث داخل ہوا۔ وہ شیخ کو لے جاکر رقّہ میں بٹھاتا ہے، یعنی اس باغ میں جو دریائے دجلہ کے دونوں کنارے چلا گیا ہے اور شیخ کو حدیث سناتا ہے۔ پھر اپنے حدیث کے مجموعے کو یوں لکھتا ہے کہ مجھ سے رقّہ میں فلاں فلاں شخص نے حدیث بیان فرمائی۔ اس سے وہ لوگوں کو وہم میں ڈالتا ہے کہ رقّہ سے وہ شہر مراد ہے جو ملکِ شام کی طرف ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس محدث نے طلبِ حدیث میں دور دراز کے سفر کیے ہیں۔''

(تلبیس ابلیس لابن جوزی:ص۱۱۳)

مدلس کی روایت کا حکم اور امام شافعیؒ کے موقف کی توضیح

اب امام شافعیؒ اور دیگر محدثین کا مدلس کی روایت کے بارے میں موقف ملاحظہ فرمائیں:

www.KitaboSunnat.com

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

① ''جس شخص کے بارے میں ہمیں علم ہوجائے کہ اس نے صرف ایک ہی دفعہ تدلیس کی ہے تو اس کا باطن اس کی روایت پر ظاہر ہوگیا۔

② اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم مدلس کی حدیث اتنی دیر تک قبول نہیں کرتے جتنی دیر تک وہ حدثني یا سمعتُ (صراحتِ سماع) نہ کہے۔''

(الرسالة للإمام الشافعي:ص۳۷۹،۳۸۰،فقرہ:۱۰۳۳،۱۰۳۵)

امام شافعیؒ کے مذکورہ بالا کلام کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں فرمایا کہ جو راوی صرف ایک ہی بار تدلیس کرے، اس کی ہر معنعن روایت قابل ردّ ہوگی۔ گویا امام موصوف کے ہاں راوی کے سماع کی تتبع کے بعد تدلیس کا مکرر ہونا یا اس کی مرویات پر تدلیس کا غالب آنا شرط نہیں ہے بلکہ محض ایک بار تدلیس کا پایا جانا ہی کافی ہے۔

حافظ ابن رجبؒ نے بھی امام شافعیؒ کے اس قول کی یہی تعبیر کی ہے۔

(شرح علل الترمذي:۲/۵۸۲-۵۸۳)

مدلس کی ایک ہی بار تدلیس کے حوالے سے حافظ مشرق خطیب بغدادیؒ کا بھی یہی موقف ہے۔ (الکفایة للخطیب البغدادي:۲/۳۸۹-۳۹۰)

مدلس کی ایک بار تدلیس کے حوالے سے ان دونوں ماہر محدثین کے علاوہ کسی اور کا یہ موقف معلوم نہیں ہوسکا۔

امام شافعیؒ نے اپنے کلام کے دوسرے حصہ میں یہ صراحت فرمائی ہے کہ مدلس راوی کی معنعن روایت قابل قبول نہیں ہے۔ یہی موقف متعدد محدثین کا بھی ہے، مگر ان کا یہ موقف کثیر التدلیس راوی کے بارے میں ہے، صرف ایک بار والے مدلس راوی پر نہیں۔

☜ بعض لوگوں نے حافظ ابن حبانؒ کا بھی یہی موقف بیان کیا ہے۔ بلا شبہ حافظ ابن حبانؒ نے اسی مسلک کو اپناتے ہوئے یہ صراحت بھی فرمائی ہے کہ یہ امام شافعیؒ اور ہمارے دیگر اساتذہ کا موقف ہے۔ (مقدمة المجروحین لابن حبان:۱/۹۲)

مگر معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن حبانؒ کا یہ موقف مطلق طور پر نہیں ہے، کیونکہ ان کے ہاں

www.KitaboSunnat.com

جو مدلس صرف ثقہ راوی سے تدلیس کرتا ہے، اس کی روایت سماع کی صراحت کے بغیر بھی قبول کی جائے گی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''ایسا مدلس جس کے بارے میں معلوم ہوجائے کہ وہ صرف ثقہ ہی سے تدلیس کرتا ہے تو اس کی روایت عدمِ صراحتِ سماع کے باوجود قبول کی جائے گی۔ دنیا میں صرف سفیان بن عیینہ ایسے ہیں جو ثقہ متقن سے تدلیس کرتے ہیں۔ سفیان بن عیینہ سے مروی کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس میں وہ تدلیس کریں اور اسی حدیث میں ان کے اپنے جیسے ثقہ راوی سے سماع کی وضاحت موجود ہوتی ہے۔'' (مقدمہ صحیح ابن حبان: ۱/۹۰، الاحسان)

امام ابن حبانؒ کے قول سے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ موصوف کے ہاں جو صرف ثقہ سے تدلیس کرتے ہیں، وہ صرف ابنِ عیینہ ہیں۔ حالانکہ یہ مفہوم درست نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ امام ابن عیینہؒ اپنے ہی جیسے ثقہ متقن راوی سے تدلیس کرتے ہیں۔ عام ثقات سے تدلیس نہیں کرتے اور یہ عمومی قاعدہ ہے، اس سے وہ روایات مستثنیٰ ہوں گی جن میں تدلیس پائی جائی گی۔

دیگر محدثین کا امام شافعی و بغدادی سے اختلاف

① امام شافعیؒ اور حافظ بغدادیؒ کا مذکورۃ الصدر موقف محل نظر ہے بلکہ جمہور محدثین اور ماہرینِ فن کے خلاف ہے۔ جیسا کہ حافظ بدر الدین زرکشیؒ ۷۹۴ھ امام شافعیؒ کے اس قول کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وهو نص غريب لم يحكمه الجمهور''

(النكت على مقدمة ابن الصلاح للزركشي: ص۱۸۸)

''یہ انتہائی غریب دلیل ہے، جمہور کا یہ فیصلہ نہیں۔''

② حافظ ابن عبدالبرؒ نے بھی امام شافعیؒ کے اس موقف کو اپنانے والوں پر افسوس کا اِظہار کیا ہے۔ مشہور مالکی امام ابن عبدالبرؒ نے امام قتادہ بن دعامہ، جو تدلیس کرنے میں مشہور ہیں، کے عنعنہ کو مطلق طور پر ردّ کرنے والوں کا تعاقب فرمایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''قال بعضهم قتادة إذا لم يقل: سمعتُ أو حدثنا فلا حجة في نقله وهٰذا تعسف'' (التمهيد لابن عبدالبر: ۱/۲۸۷)

www.KitaboSunnat.com

''بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ قتادہ جب سمعتُ یا حدثنا وغیرہ سے اپنے سماع کی صراحت نہ کریں تو ان کے بیان کی کوئی حیثیت نہیں، یہ انتہائی افسوس ناک موقف ہے۔''

یعنی حافظ ابن عبدالبرؒ کے ہاں امام قتادہؒ ایسے مشہور مدلس بھی جب روایتِ عنعنہ سے بیان کریں تو وہ مقبول الروایہ ہیں۔ ان کا عنعنہ اسی وقت ردّ کیا جائے گا جب اس میں تدلیس پائی جائے گی۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبرؒ دوسرے مقام پر رقم طراز ہیں:

"قتادة إذا لم يقل: سمعت وخُولف في نقله، فلا تقوم به حجة لأنه يدلس كثيرًا عمن لم يسمع منه، ورُبّما كان بينهم غير ثقة"

'' قتادہ جب (سمعتُ) نہ کہیں اور ان کی حدیث دوسروں کے مخالف ہو تو قابل حجت نہیں ہوگی، کیونکہ وہ بکثرت ایسوں سے بھی تدلیس کرتے ہیں جن سے سماع نہیں ہوتا اور بسا اَوقات اس (تدلیس) میں غیر ثقہ راوی بھی ہوتا ہے۔'' (التمهيد لابن عبدالبر:۳/۳۰۷)

حافظ صاحب کی ان دونوں نصوص کو سامنے رکھنے سے یہ بات بخوبی معلوم ہوجاتی ہے کہ امام ابن عبدالبر، قتادہ کے عنعنہ کو رد کرنے میں تدلیس شرط قرار دے رہے ہیں، بالفاظِ دیگر اِمام شافعیؒ کے موقف کی تردید بھی کررہے ہیں۔

امام شافعیؒ کا مدلسین کی روایات سے استدلال

اوپر آپ امام شافعیؒ کے حوالے سے پڑھ آئے ہیں کہ جو راوی ایک بار تدلیس کرے، اس کی سبھی معنعن روایات ناقابل قبول ہوں گی۔ مگر اس اُصول کی انہوں نے خود مخالفت کی ہے:

① امام صاحب نے ابن جریج کی معنعن روایت سے استدلال کیا ہے۔ (دیکھئے کتاب الرسالة للشافعي: ص۱۷۸ فقرہ ۴۹۸، ص۳۲۵ فقرہ ۸۹۰، ص۳۳۰ فقرہ ۹۰۳، ص۴۴۳ فقرہ ۱۲۲۰)

حالانکہ ابن جریج سخت مدلس ہیں اور مجروحین سے بھی تدلیس کرتے ہیں۔ ان کی ضعفا اور کذابین سے تدلیس کی وجہ سے محدثین ان کی مرویات کی خوب جانچ پرکھ کیا کرتے تھے۔ جس کی تفصیل مُعجم المدلسين للشيخ محمد بن طلعت: ص۳۱۱ تا ۳۲۰، التدليس في الحديث للشيخ مسفر: ص۳۸۳ تا ۳۸۶، بهجة المنتفع للشيخ أبي عبيدة: ص۴۱۶ تا ۴۲۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

② اسی طرح دوسری جگہ مشہور مدلس ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس کی معنعن روایت سے اِستدلال کیا ہے۔ دیکھئے کتاب الرسالة: ص۱۷۸ فقرہ ۴۹۸، ص۳۲۴ فقرہ ۸۸۹

www.KitaboSunnat.com

یہاں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ امام شافعیؒ نے ان دونوں اور دیگر مدلسین کی معنعن روایات سے استدلال کیوں کیا ہے؟

امام شافعیؒ کے موقف کی وضاحت

امام شافعیؒ کے موقف کے بارے میں شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن سعد فرماتے ہیں:

''یہ کلام صرف نظریات کی حد تک ہے بلکہ ممکن ہے کہ امام شافعیؒ نے خود اس پر عمل نہ کیا ہو۔ اُنھوں نے اپنی اسی کتاب (الرسالة) میں متعدد مقامات پر ابن جریج کی معنعن روایت سے احتجاج کیا ہے۔اس حدیث میں امام شافعیؒ نے ابن جریج کی اپنے شیخ سے صراحتِ سماع ذکر نہیں کی، ایسے ہی ابوالزبیر کا معاملہ ہے۔''

اسی طرح شیخ ناصر بن حمد الفهد رقم طراز ہیں:

''ائمۂ حدیث امام شافعیؒ کے اس قول کی موافقت نہیں کرتے جیسا کہ امام احمد، امام ابن مدینی، امام ابن معین اور امام فسوی رحمہم اللہ اجمعین کا موقف ہے۔امام شافعیؒ اُمت کے فقہا اور علماے اسلام میں سے ہیں، مگر حدیث کے بارے میں ان کی معرفت ان حفاظ جیسی نہیں ہے، اور اگر ہم امام شافعیؒ کے قول کا اعتبار کریں تو ہمیں ایسی صحیح احادیث بھی ردّ کرنا ہوں گی جنہیں کسی نے بھی ردّ نہیں کیا یہاں تک کہ (امام شافعیؒ کی موافقت میں) شوافع نے بھی ردّ نہیں کیں بلکہ اُنہوں نے مدلسین کے مراتب قائم کیے ہیں۔'' (معجم المدلسين شیخ محمد طلعت: ص۲۱۶،۲۱۷)

امام شافعیؒ کے قول کے جواب میں شیخ ابوعبیدہ مشہور بن حسن نے بھی اسی قسم کا جواب دیا ہے۔ دیکھئے التعليق على الكافي فی علوم الحديث للأردبيلی: ص۳۸۹

☜ علامہ زرکشیؒ کا نقد آپ اوپر پڑھ آئے ہیں کہ اُنہوں نے امام شافعیؒ کے اس قول کو غریب کہا ہے۔ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ کا یہ موقف محل نظر ہے۔

اس کے مزید دلائل درج ذیل ہیں:

پہلی دلیل: تدلیس کا حکم

تدلیس کا حکم لگانے سے قبل یہ متعین کرنا ضروری ہے کہ اس کی تدلیس کی نوعیت کیا ہے؟ اس بنا پر تدلیس اور اس کے حکم کو چار حصوں میں منقسم کیا جائے گا:

www.KitaboSunnat.com

پہلی قسم: یہ ہے کہ راوی اپنے استاد سے وہ اَحادیث بیان کرتا ہے جو اس نے مروی عنہ (جس سے روایت کررہا ہے) سے سنی نہیں ہوتی، جب کہ مطلق طور پر اس کا سماع متحقق و یقینی ہوتا ہے۔اس قسم کا حکم یہ ہے کہ مدلس کی ہر حدیث میں اس کے شیخ سے سماع کی صراحت تلاش کی جائے گی، کیونکہ وہ جس حدیث کوبھی محتمل صیغہ سے بیان کررہا ہے، اس میں احتمال ہے کہ اس نے یہ حدیث اپنے اُستاد سے نہیں سنی۔ یہ حکم کثیر التدلیس مدلسین کا ہے۔

دوسری قسم: راوی اپنے ایسے ہم زمانہ سے حدیث بیان کرے جس سے اس کی ملاقات نہیں ہوتی، مگر وہ جس صیغے سے بیان کرتا ہے، اس سے یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث بھی اس کی مسموعات میں سے ہے۔تدلیس کی اس قسم کو حافظ ابن حجرؒ اِرسالِ خفی قرار دیتے ہیں۔اس قسم کے حکم کے بارے میں علامہ حاتم بن عارف الشریف رقم طراز ہیں:

> ''میں راوی کا عنعنہ اتنی دیر تک قبول نہیں کرتا جب تک اس کی مروی عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہوجاتی۔اگرچہ یہ ملاقات یا سماع حدیث صرف ایک ہی حدیث سے ثابت ہوجائے تو میں اس راوی کی اس شیخ سے بقیہ اَحادیث سماع پر محمول کرتا ہوں، کیونکہ اس میں تدلیس کی جو قسم پائی جاتی ہے وہ ایسے معاصر سے روایت کرتا ہے جس سے سماع ثابت نہیں، اس لیے اگر ایک ہی حدیث میں سماع ثابت ہوجائے تو اس مخصوص شیخ سے تدلیس کا الزام ختم ہوجائے گا۔''

(شرح موقظة الذهبي للعوني: ص١٢٦)

تیسری قسم: اس قسم میں 'تدلیس الشیوخ' ہے جس میں صیغِ اَدا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ اس کا حکم مدلس راوی کی معرفت پر موقوف ہوتا ہے۔اگر وہ ثقہ ہے تو اس کی نقل کردہ چیز مقبول ہوگی اور اگر وہ ضعیف ہوتو اس کا نقل کردہ قول بھی لائق التفات نہیں ہوگا اور جو ہر مدلس کے عنعنہ کو رد کرتے ہیں، وہ تدلیس الشیوخ کے مرتکب مدلس اگرچہ وہ ثقہ ہوں کی عنعنہ کوبھی رد کردیں گے جو کہ درست نہیں۔

چوتھی قسم: اس میں تدلیس الصیغ (صیغوں میں تدلیس) ہے۔اس قسم میں بھی تدلیس کی نوع متعین کرنا ہوگی اور اس کے مرتکبین کوبھی ذہن نشین رکھنا ہوگا۔اس تدلیس کی تاثیر تدلیس الاسناد کی تاثیر سے مختلف ہے، کیونکہ تدلیس الاسناد میں تو راوی کا عنعنہ مردود ہوتا ہے اور جو

آدمی تحمل حدیث میں روایت بالاجازۃ کو قبول نہیں کرتا، اس کے ہاں ایسے مدلس کی تصریح سماع قابل رد اور عنعنہ مقبول ہوگا۔ اس تدلیس کے حکم میں ان لوگوں کا بھی ردّ موجود ہے جو محض تدلیس سے موصوف ہر شخص کے عنعنہ کو مردود سمجھتے ہیں۔

دوسری دلیل: طبقاتِ مدلسین

امام شافعیؒ کے موقف کے برخلاف دوسری دلیل مدلسین کی طبقاتی تقسیم ہے۔ جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ سبھی مدلسین کی تدلیس کا حکم یکساں نہیں۔ بنابریں ان کی مرویات سے بھی جداگانہ سلوک کیا جائے گا۔ موصوف اور صفت کے تفاوت کی وجہ سے دونوں کا حکم بھی متغیر ہوگا۔ اسی تفاوت کے پیش نظر امام حاکمؒ نے مدلسین کی چھ اَقسام مقرر کی ہیں۔

(معرفة علوم الحديث للحاكم: ص۱۰۳ تا۱۱۲، نوع:۲۶)

امام حاکم کی پیروی دو محدثین نے کی، پہلے امام ابونعیمؒ صاحبُ المستخرج ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے۔ (النکت لابن حجر:۶۲۲/۲) دوسرے امام ابوعمرو عثمان سعید دانی مقریؒ (۴۴۴ھ) ہیں۔ دیکھئے جزء في علوم الحديث: ص۳۸۱ تا۴۹۱ مع شرحہ القیم بهجة المنتفع از شیخ مشہور حسن

پھر حافظ علائیؒ نے مدلسین کے پانچ طبقے بنائے۔ (جامع التحصيل للعلائي: ص۱۳۰، ۱۳۱)

انکی متابعت میں حافظ ابن حجرؒ نے طبقات المدلسين پر مشتمل کتاب تعريف أهل التقديس میں اُنہیں جمع فرما دیا۔ حافظ ابن حجرؒ کی اس طبقاتی تقسیم کو اَساس قرار دے کر ڈاکٹر مسفر بن غرم اللہ دمینی نے کتاب التدليس في الحديث لکھی جو مطبوع اور متداول ہے۔ بلکہ جنہوں نے بھی مسئلہ تدلیس کے بارے میں لکھا، اُنہوں نے ان پہلوؤں کو فراموش نہیں کیا۔ یہاں اس غلط فہمی کا اِزالہ کرنا بھی ضروری ہے کہ حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے فلاں راوی کو فلاں طبقے میں ذکر کیا ہے حالانکہ وہ اس طبقے کا راوی نہیں، لہٰذا یہ طبقاتی تقسیم بھی درست نہیں۔

عرض ہے کہ کسی خاص راوی کے طبقے کی تعیین میں اختلاف ہونا ایک علیحدہ بات ہے۔ اس سے مدلسین کی طبقاتی تقسیم پر کوئی زَد نہیں پڑتی بلکہ خود حافظ ابن حجرؒ نے النكت على كتاب ابن الصلاح میں اپنی کتاب تعريف أهل التقديس کے برخلاف رواۃ کے طبقات

www.KitaboSunnat.com

میں تبدیلی کی ہے جو اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ یہ معاملہ اجتہادی نوعیت کا ہے۔ گویا مدلسین کی اس تقسیم سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مدلسین کی معنعن روایت مقبول ہوتی ہے اور بعض کی ردّ۔

تیسری دلیل: تدلیس کی کمی وزیادتی کی تاثیر

امام شافعیؒ کے موقف کے خلاف تیسری دلیل یہ ہے کہ محدثین حکم لگاتے ہوئے تدلیس کی قلت اور کثرت کا بھی اعتبار کرتے ہیں جیسا کہ مدلسین کی معنعن روایات کا عمومی حکم اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ایسی مرویات ضعیف ہوں گی، اِلا یہ کہ وہ مدلس راوی اپنے شیخ سے سماع کی صراحت کردے یا اس کا کوئی متابع یا شاہد موجود ہو۔ مگر جو راوی قلیل التدلیس ہو، اس کی معنعن روایت مقبول ہوگی، بشرطیکہ وہ خود ثقہ ہو اور اس روایت میں نکارت نہ پائی جائے۔ اگر نکارت موجود ہو اور اس کا بظاہر کوئی اور سبب نہ ہو تو وہ (نکارت) تدلیس کا شاخسانہ قرار دی جائے گی۔ گویا ثقہ مدلس راوی کے عنعنہ کو تبھی تدلیس قرار دیا جائے گا جب اس کی سند یا متن میں نکارت پائی جائے گی۔ یہی فہم ناقدینِ فن کے اقوال سے مترشح ہوتا ہے۔

① امام ابن معینؒ کا فیصلہ

❁ امام یعقوب بن شیبہؒ (م۲۶۲ھ) نے امام العلل یحییٰ بن معینؒ (م۲۳۳ھ) سے تدلیس کی بابت اِستفسار کیا تو امام ابن معینؒ نے تدلیس کو معیوب اور مکروہ جانا۔ امام ابن شیبہؒ نے امام العلل سے سوال کیا:

اگر مدلس اپنی روایت میں قابل اعتماد ہوتا ہے یا وہ 'حدثنا' یا 'أخبرنا' کہے؟ یعنی اپنے سماع کی صراحت کرے۔ امام صاحب نے انتہائی لطیف جواب ارشاد فرمایا جو اُن کے اس فن کے شہسوار ہونے پر دلالت کرتا ہے، فرمایا: لا یکون حجة فیما دلَّس ''جس روایت میں وہ تدلیس کرے گا، اس میں قابل اعتماد نہیں ہوگا۔'' (الکفایة البغدادي:۲/۳۸۷ اِسنادہ صحیح، الکامل لابن عدی:۱/۴۸، التمهید لابن عبدالبر:۱/۱۷،۱۸)

قارئین کرام! ذرا غور فرمائیں کہ امام ابن معینؒ نے مدلس کی روایت کے عدمِ حجت ہونے میں یہ قاعدہ بیان نہیں فرمایا کہ جب وہ روایت عنعنہ سے کرے تو تب وہ حجت نہیں ہوگا، بلکہ فرمایا کہ اس کی عنعنہ مقبول ہے مگر اس شرط پر کہ اس عنعنہ میں تدلیس مضمر نہ ہو۔ بصورتِ دیگر

وہ روایت منکر اور ناقابل اعتماد ہوگی۔ یہی سوال امام یعقوبؒ نے امام ابن معینؒ کے ہم عصر امام علی بن مدینیؒ سے کیا۔

② امام ابن المدینیؒ کے ہاں تاثیر

❁ إمام العلل وطبيبها علی بن مدینیؒ امام ابن شیبہ کے استفسار پر فرماتے ہیں:

"إذا كان الغالب عليه التدليس فلا، حتى يقول: حدثنا"

''جب تدلیس اس پر غالب آجائے تو تب وہ حجت نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنے سماع کی توضیح کرے۔'' (الكفاية للبغدادي:۲/۳۸۷، اسنادہ صحیح، التمهيد لابن عبدالبر:۱/۱۸)

امام علی بن مدینیؒ نے اس جوابی فقرہ میں دو باتوں کی طرف نشاندہی فرمائی ہے:

اولاً: مدلّس روایت حجت نہیں۔

ثانیاً: اس راوی کی جتنی مرویات ہیں، ان کے تناسب سے وہ بہت زیادہ تدلیس کرتا ہے یعنی اس کی تدلیس مرویات پر غالب ہے تو اس کی روایت کے قبول کرنے میں یہ شرط لاگو کی جائے گی کہ وہ اپنے سماع کی صراحت کرے۔

امام ابن المدینیؒ کے کلام کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ قلیل التدلیس راوی کا عنعنہ مقبول ہوگا اِلا یہ کہ اس میں تدلیس ہو۔ جیسا کہ امام سخاویؒ نے امام ابن مدینیؒ کے اس قول کی توضیح میں فرمایا ہے۔ دیکھئے فتح المغيث للسخاوي:۱/۲۱۶

③ حافظ ابن رجبؒ کا موقف

❁ حافظ ابن رجبؒ امام شافعیؒ کا قول: ''ہر مدلس کی عنعنہ مردود ہوگی'' ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''امام شافعیؒ کے علاوہ دیگر محدثین نے راوی کی حدیث کے بارے میں تدلیس کے غالب ہونے کا اعتبار کیا ہے۔ جب تدلیس اس پر غالب آجائے گی تو اس کی حدیث اسی وقت قبول کی جائے گی جب وہ صراحتِ سماع کرے۔ یہ علی بن مدینیؒ کا قول ہے جسے یعقوب بن شیبہؒ نے بیان کیا ہے۔'' (شرح علل الترمذي لابن رجب:۲/۵۸۳)

حافظ ابن رجبؒ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کا رجحان بھی امام علی بن

www.KitaboSunnat.com

مدینیؒ وغیرہ کی طرف ہے۔

④ امام احمدؒ بن حنبل کا نظریہ

امام احمدؒ بھی اس مسئلہ میں دیگر ناقدین کے ہمدم ہیں، کیونکہ ہشیم بن بشیر الواسطی ابومعاویہ کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"ثقة ثبت كثير التدليس والإرسال الخفي" (التقريب:٨٢٣٢)

ان سے قبل حافظ علائیؒ نے اُنہیں مشہور بالتدلیس قرار دیا ہے۔

(جامع التحصيل للعلائي:ص١٢٨، رقم ٥٧)

بلکہ امام احمدؒ نے اس کی مدلس روایات کی بھی بخوبی انداز میں نشان دہی فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو: کتاب العلل ومعرفة الرجال للامام احمد: فقرۃ: ٦٤٤، ٧٢٣، ١٤٥٩، ٢١٢٧، ٢١٢٩، ٢١٣٢ تا ٢١٤٠ وغیرہ

یہاں تک کہ ہشیم خود فرماتے ہیں:

''جب میں تمہیں حدثنا یا أخبرنا سے بیان کروں تو اسے مضبوطی سے تھام لو۔'' (علل الامام احمد: فقرہ ٢١٣٤) مگر اس کے باوجود امام احمدؒ نے ہشیم کے عنعنہ پر توقف بھی کیا ہے۔ چنانچہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں، میں نے امام احمدؒ سے سنا: حديث ابن شبرمة، قال رجل للشعبي: نذرت أن أطلّق امرأتي لم يقل فيه هشيم: أخبرنا، فلا أدري سمعه أم لا" کہ'' اس حدیث میں ہشیم نے أخبرنا نہیں کہا، مجھے نہیں معلوم کہ اس نے عبداللہ بن شبرمہ سے اس حدیث کو سنا ہے یا نہیں۔''

(مسائل الإمام أحمد تالیف ابی داؤد:ص٣٢٢)

اگر ہر مدلس کا عنعنہ مردود ہوتا بالخصوص ہشیم ایسے راوی کا، تو امام احمد ہشیم کے عنعنہ کے بارے میں کیوں توقف کرتے؟ جس طرح بیسیوں روایات میں اس کی تدلیس کو واضح کیا ہے، جیسا کہ علل الإمام أحمد سے معلوم ہوتا ہے، اسی قاعدہ کی رُو سے ابن شبرمہ والی حدیث کے بارے میں فیصلہ کن نقد فرما دیتے، مگر امام احمدؒ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ امام ابوداؤدؒ نے امام احمدؒ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو تدلیس کی وجہ سے معروف ہے کہ جب وہ 'سمعت' نہ کہے تو وہ قابل اعتماد ہوگا؟

امام احمدؒ نے فرمایا: ''مجھے نہیں معلوم!''

www.KitaboSunnat.com

میں نے پوچھا: اعمش کی تدلیس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس کے لیے کیسے الفاظ تلاش کیے جائیں گے (انکی ان مرویات کو کیسے اکٹھا کیا جائے گا جن میں سماع کی صراحت نہیں)

امام احمدؒ نے جواباً فرمایا: ''یہ کام بڑا مشکل ہے۔''

امام ابوداؤد نے فرمایا: أي إنك تحتج به ''آپ اعمش کی معنعن روایات کو قابل اعتماد گردانتے ہیں!'' (سؤالات أبي داؤد للامام احمدؒ: ص۱۹۹، فقرہ: ۱۳۸)

گویا امام احمدؒ کا مقصود یہ ہے کہ ایسا راوی جو اپنی مرویات کے تناسب سے بہت کم تدلیس کرتا ہے تو اس کے عنعنہ کو محض اس وجہ سے ردّ نہیں کیا جائے گا کہ وہ مدلس راوی ہے۔ اگر ایسا کیا گیا تو بہت ساری مقبول اَحادیث بھی ردّ کرنا ہوں گی جو تشدد اور بے موقع سختی کا اِظہار ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اعمش اور ان جیسے دوسرے مدلسین کی معنعن روایات کو مطلق طور پر قبول کریں یہاں تک کہ کسی دلیل سے اس مخصوص حدیث میں تدلیس معلوم ہوجائے۔ مثلاً صحیح سند کے باوجود متنِ حدیث میں نکارت آجائے یا پھر کسی دوسری روایت میں اس شیخ سے عدمِ سماع کی صراحت کرے وغیرہ تو وہ مخصوص روایت ناقابل اعتبار ہوگی۔

مزید برآں امام احمدؒ کے قول: 'میں نہیں جانتا' سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سبھی مدلسین سے یکساں سلوک نہیں کیا جائے گا۔ سائل خواہش مند تھے کہ امام احمدؒ اس حوالے سے کوئی کلی قاعدہ بیان فرمادیں مگر امام احمد نے کوئی قاعدہ کلیہ نہیں بتادیا۔

امام احمدؒ اِن دونوں (ہشیم اور اعمش) کی عنعنہ کا ردّ نہیں کررہے جو مشہور بالتدلیس ہیں تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ قلیل التدلیس راوی کے عنعنہ کو بالاولیٰ سماع پر محمول کرتے ہیں۔ اِلا یہ کہ قلیل التدلیس راوی کی روایت میں تدلیس ثابت ہوجائے۔ گویا یہ وہی منہج ہے جو امام ابن معینؒ، امام ابن مدینیؒ وغیرہ کا ہے۔ جس پر امام یعقوب بن شیبہ نے سکوت فرما کر شیخین کی تائید کی ہے اور امام بخاری کا مذہب ہے۔

⑤ امام بخاریؒ

امام بخاریؒ، سفیان ثوریؒ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''ولا أعرف لسفيان الثوري عن حبيب بن أبي ثابت ولا عن مسلمة بن

كهيل ولا عن منصور وذكر مشائخ كثيرة، ولا أعرف لسفيان عن هولاء تدليساً ما أقل؟؟ تدليسه (علل الترمذي:۲/۹۶۶،التمهيد لابن عبدالبر: ۱/ ۳۵،جامع التحصيل للعلائي:ص۱۳۰، النكت لابن حجر:۲/۶۳۱)

امام بخاریؒ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ تدلیس کی کمی اور زیادتی کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ امام بخاریؒ نے یہ نہیں فرمایا کہ سفیان ثوریؒ جن اَساتذہ سے تدلیس نہیں کرتے، ان سے معنعن روایت بھی بیان نہیں کرتے۔ بلکہ یہ فرمایا:

''سفیان ثوری کی ان شیوخ سے تدلیس کو میں نہیں جانتا۔''

اور یہ بات بھی انتہائی بعید ہے کہ سفیان ثوری کی ان شیوخ سے سبھی مرویات جو امام بخاریؒ تک پہنچی ہیں، وہ سماع یا تحدیث کی صراحت کے ساتھ ہوں، بلکہ سفیان ثوری کی ان شیوخ سے معنعن روایات کا موجود ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے۔مگر اس کے باوجود امام بخاریؒ نے سفیان ثوری کی ان سے معنعن روایات پر تنقید نہیں کی۔ بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امام صاحب نے سفیان کی ان سے معنعن روایات کو اتصال پر محمول کیا ہے۔

امام بخاریؒ نے مدلس (تدلیس والی) روایات کا تتبع کیا ہے۔ ایسی مرویات کا نہیں جن میں سماع اور تدلیس دونوں کا احتمال ہو۔اگر امام بخاریؒ کا مذکورہ بالا کلام تدلیس اور تدلیس کے احتمال دونوں کا محتمل ہوتا تو امام صاحب کا یوں کہنا زیادہ مناسب تھا: ''سفیان ثوری نے ان شیوخ سے سماع اور تحدیث کی صراحت کی ہے۔'' مگر امام صاحب نے ایسا نہیں فرمایا۔

☜ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے ثوریؒ کی ان شیوخ سے روایات میں اصل 'اتصالِ سند' کو رکھا ہے تا آنکہ کسی روایت میں صراحتاً تدلیس ثابت ہوجائے؟ یا پھر ثوری کی ان سے روایات میں اصل انقطاع ہے یہاں تک کہ ہر ہر حدیث میں سماع یا تحدیث کی صراحت موجود ہو؟

اوّلا: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے امام ثوری کی ان شیوخ سے روایات کو سماع پر محمول کیا ہے تا آنکہ کسی قرینے سے معلوم ہوجائے کہ یہ روایت مدلس ہے جیسا کہ دیگر ماہرین فن کا اُسلوب ہے۔

www.KitaboSunnat.com

ثانیاً: چونکہ سفیان ثوری کو امام بخاریؒ سے قبل متعدد محدثین نے مدلس قرار دیا ہے جن میں امام یحییٰ بن سعید القطان بھی شامل ہیں۔ (التاریخ لابن معین:۳/۳۷۴،فقرہ۱۸۲۲، روایة الدوري،العلل ومعرفة الرجال للامام احمد:۱/۲۴۲،فقرہ۳۱۸)

جس بنا پر امام بخاریؒ جانتے تھے کہ ثوری مدلس ہیں۔ اب سوال یہ تھا کہ ان کی تدلیس کی ماہیت کیا ہے؟ جس کے پیش نظر امام صاحب نے ثوری کی سبھی روایات کا استقرا کیا اور پھر نتیجہ نکالا کہ ثوری قلیل التدلیس ہیں، لہٰذا ان کا عنعنہ سماع پر محمول کرتے ہوئے قبول کیا جائے گا۔ مدلس روایت اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

ثالثاً: امام بخاریؒ کے اس قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام ثوری ان نامزد اور دیگر متعدد شیوخ سے بھی تدلیس نہیں کرتے۔

امام بخاریؒ کے شاگرد امام مسلمؒ کا قول اس مسئلہ میں دلیل قطعی ہے۔

⑥ امام مسلمؒ کی صراحت

امام مسلمؒ رقم طراز ہیں:

إنما كان تفقد من تفقد منهم سماع رواة الحديث ممن روى عنهم إذا كان الراوي ممن عرف بالتدليس في الحديث وشهر به، فحينئذ يبحثون عن سماعه في روايته ويتفقدون ذلك منه، كي تنزع عنهم علة التدليس

''محدثین نے جن راویوں کے اپنے شیوخ سے سماع کا تتبع کیا ہے، وہ ایسے راوی ہیں جو تدلیس کی وجہ سے شہرت یافتہ ہیں۔ وہ اس وقت ان کی روایات میں صراحتِ سماع تلاش کرتے ہیں تاکہ ان سے تدلیس کی علت دور ہوسکے۔'' (مقدمہ صحیح مسلم:ص۲۲،طبع دارالسلام)

امام مسلمؒ کا یہ قول اس بارے میں نص صریح ہے کہ صراحتِ سماع صرف ان راویوں کی تلاش کی جائے گی جو بکثرت تدلیس کرتے ہیں اور ان کی شہرت کی وجہ ان کا مدلس ہونا ہی ہے۔ گویا قلیل التدلیس راوی کا عنعنہ مقبول ہوگا ماسوائے مدلس (تدلیس والی) روایت کے۔

حافظ ابن رجبؒ امام مسلمؒ کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس قول میں احتمال ہے کہ امام صاحب کا مقصود یہ ہے کہ اس راوی کی حدیث میں تدلیس کی

www.KitaboSunnat.com

کثرت ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ امام صاحب اس قول سے مراد تدلیس کا ثبوت اور صحت لے رہے ہوں۔ اس صورت میں امام مسلمؒ کا قول امام شافعیؒ کے قول کے مترادف ہوگا۔''

(شرح علل الترمذي لابن رجب:۲/۵۸۳)

حافظ ابن رجبؒ کے اس قول کے حوالے سے عرض ہے کہ ان کا ذکر کردہ پہلا احتمال امام مسلمؒ کے منہج کے عین مطابق ہے، کیونکہ تدلیس کی بنا پر راوی اسی وقت مشہور ہوگا جب وہ کثرت سے کرے گا۔ رہا ایک حدیث میں تدلیس کرنا یا ایک ہی بار تدلیس کرنا تو اس سے تدلیس میں شہرت نہیں مل سکتی۔

ان متقدمین کے علاوہ متعدد متاخرین بھی تدلیس کی کمی اور زیادتی کا اعتبار کرتے ہیں۔ امام حاکمؒ، امام ابونعیمؒ، امام ابوعمرو الدانیؒ، حافظ علائیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کے حوالے سے ہم ''دوسری دلیل: طبقاتی تقسیم'' کے تحت عرض کر چکے ہیں۔ جبکہ حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے مزید عرض ہے:

⑦ حافظ ابن حجرؒ

موصوف بھی تدلیس کی کمی اور زیادتی کا اعتبار کرتے ہیں۔ جس کی تائید ان کی مدلسین کی طبقاتی تقسیم بھی کرتی ہے۔ بلکہ اُنہوں نے مقدمہ کتاب طبقات المدلسین اور النكت على كتاب ابن الصلاح (ج۲ص۶۳۶ تا ۶۴۴) میں اس کی صراحت بھی فرمائی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ یحییٰ بن ابی حیہ کلبی کے بارے میں محدثین کی جرح کی تلخیص کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ضعفوه لكثرة تدليسه ''محدثین نے کثرتِ تدلیس کی بنا پر اسے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (التقریب:۷۵۳۷)

اس قول سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ کثرتِ تدلیس بھی باعثِ جرح ہے۔ یاد رہے کہ حقیقی مدلس وہی ہوتا ہے جو تدلیس کثرت سے کرے۔ یہی رائے دیگر بہت سے معاصرین کی ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ان کی نشاندہی بھی کردی جائے گی۔

قارئین کرام! ان ناقدین کے اقوال سے یہ بات بخوبی سامنے آچکی ہے کہ تدلیس کا حکم لگانے سے پہلے یہ تعیین کرنا ضروری ہے کہ وہ راوی قلیل التدلیس تو نہیں، کیونکہ اس کی معنعن

www.KitaboSunnat.com

روایت قبول کی جائے گی، الا یہ کہ کسی خاص حدیث میں تدلیس کا وجود پایا جائے۔

یہ اَقوال ان لوگوں کے موقف کی ترجمانی نہیں کرتے جو ایک ہی بار کی تدلیس کی وجہ سے ہر معنعن روایت کو قابل ردّ قرار دیتے ہیں اور جو مطلق طور پر ہر مدلس کی معنعن روایت کو لائق التفات نہیں سمجھتے۔ اب امام شافعیؒ کے موقف کے خلاف چوتھی دلیل ملاحظہ ہو:

چوتھی دلیل: ثقات سے تدلیس کی تاثیر

محدثین کے ہاں جس طرح تدلیس کی کمی اور زیادتی کی بنا پر معنعن روایت کا حکم بدل جاتا ہے، اسی طرح ثقہ یا ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرنے کی وجہ سے حکم مختلف ہوجاتا ہے۔ جو مدلسین صرف ثقہ راویان سے تدلیس کریں تو ان کی عنعنہ مقبول ہوگی۔

① یہی موقف حافظ ابوالفتح الازدیؒ (الکفایة للخطیب البغدادي: ۲/۳۸۶، ۳۸۷ رقم ۱۱۶۵، النکت للزرکشي: ص۱۸۹، النکت لابن حجر: ۲/۶۲۴، فتح المغیث للسخاوي: ۱/۲۱۵)

② حافظ ابوعلی الحسین بن علی بن زید الکرابیسیؒ ۲۴۸ھ

(شرح علل الترمذی لابن رجب: ج۲ص۵۸۳)

③ حافظ بزارؒ (النکت علی مقدمة ابن الصلاح للزرکشي: ص۱۸۴، فتح المغیث للعراقي: ص۸۰-۸۱، النکت لابن حجر: ۲/۶۲۴، فتح المغیث للسخاوي: ۱/ ۲۱۵، تدریب الراوی للسیوطي: ۱/۲۲۹)

④ ابوبکر صیرفیؒ نے الدلائل والأعلام میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (النکت للزرکشي: ص۱۸۴، فتح المغیث للعراقي: ص۸۱، النکت لابن حجر: ج۲ص۶۲۴) وغیرہ

⑤ حافظ ابن عبدالبرؒ (التمہید: ج۱ص۱۷)

⑥ قاضی عیاضؒ (مقدمة إکمال المعلم بفوائد مسلم: ص۳۴۹)

⑦ حافظ علائیؒ (جامع التحصیل: ص۱۱۵)

⑧ امام ذہبیؒ (الموقظة ص۱۰۷، مع شرحه للشیخ الشریف حاتم العونی)

⑨ شیخ الشریف حاتم بن عارف العونی (المرسل الخفي وعلاقته بالتدلیس: ج۱ص۴۹۲)

⑩ شیخ صالح بن سعید الجزائری (التدلیس واحکامه و آثاره النقدیة: ص۱۱۳، ۵۰)

www.KitaboSunnat.com

گویا جو حضرات ہر مدلس کا عنعنہ کو ردّ کرتے ہیں، ان کا یہ موقف محل نظر ہے۔

ان کے موقف کے خلاف پانچویں دلیل پیش خدمت ہے۔

پانچویں دلیل: طویل رفاقت کی تاثیر

جو مدلس راوی کسی استاد کے ساتھ اتنا طویل زمانہ گزارے جس میں وہ اس کی تقریباً سبھی مرویات سماعت کرلے، اگر کچھ مرویات رہ بھی جائیں اور وہ انتہائی تھوڑی مقدار میں ہوں۔ ایسے مدلس کی ایسے شیخ سے تدلیس انتہائی نادر بلکہ کالمعدوم ہوتی ہے۔ کیونکہ عام طور پر ایسی صورت میں تدلیس کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور اس کے عنعنہ کو سماع پر محمول کیا جاتا ہے، الا یہ کہ کسی خاص روایت میں تدلیس ثابت ہوجائے۔

امام حاکمؒ نے مدلسین کی پانچویں جنس میں اِنہیں مدلسین کا تذکرہ کیا ہے۔

(معرفة علوم الحديث:ص۱۰۸،۱۰۹)

مذکورہ بالا دعویٰ کی دلیل امام حمیدیؒ کی عبارت ہے:

''اگر کوئی آدمی کسی شیخ کی مصاحبت اور اس سے سماع میں معروف ہو جیسے ① ابن جریج عن عطا ② ہشام بن عروۃ عن ابیہ ③ اور عمرو بن دینار عن عبید بن عمیر ہیں۔ جو اِن جیسے ثقہ ہوں اور اکثر روایات میں اپنے شیخ سے سماع غالب ہو تو کوئی ایسی حدیث مل جائے جس میں اس نے اپنے اور اپنے شیخ کے مابین کسی غیر معروف راوی کو داخل کیا ہو یا پہلے سے موجود ایسے راوی کو گرایا ہو تو اس مخصوص حدیث، جو اس نے اپنے اُستاد سے نہیں سنی، کو ساقط الاعتبار قرار دیا جائے گا۔ یہ تدلیس اس حدیث کے علاوہ دیگر احادیث میں نقصان دہ نہیں ہوگی، یہاں تک کہ یہ معلوم ہوجائے کہ موصوف نے اس میں بھی تدلیس کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر یہ مقطوع کی مانند ہوگی۔'' (الكفاية للخطيب البغدادي:۴۰۹/۲رقم ۱۱۹۰،اسنادہ صحیح باب فی قول الراوی حدثنا عن فلان)

امام حمیدیؒ کے قول کا مدلول واضح ہے البتہ ان کی پیش کردہ تین مثالوں پر تبصرہ ناگزیر ہے:

پہلی مثال اور ابن جریج کی تدلیس: امام حمیدیؒ کی ذکر کردہ پہلی مثال (ابن جریج عن عطا) کی توضیح یہ ہے کہ عطا بن ابی رباح سے ان کی روایت سماع پر محمول کی جائے گی۔ (التاریخ الکبیر

www.KitaboSunnat.com

لابن أبی خیثمة :ص۱۵۷ تحت رقم:۳۰۸) بلکہ عطاء سے روایت کرنے میں یہ أثبت الناس ہیں۔ (التاریخ یحییٰ بن معین: ۱۰۱/۳ فقرہ:۴۱۷۔ روایة الدوري، مزید دیکھئے: معرفة الرجال لابن معین: رقم ۵۵۴، ۱۴۴۷۔ روایہ ابن محرز)

امام احمدؒ نے ابن ابی رباح سے روایت کرنے میں عمرو بن دینار کو ابن جریج پر مقدم کیا ہے۔ جیسا کہ ان کے بیٹے امام عبداللہ (العلل و معرفة الرجال: ج۲ص۴۹۶ فقرہ:۳۲۷۲) اور شاگرد امام میمونیؒ [العلل ومعرفة الرجال:ص۲۵۰ فقرہ:۵۰۵] اور صاحب السنن امام ابوداؤد وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ (سؤالات أبي داؤد للامام احمد:ص۲۲۹، فقرہ۲۱۴)

گویا امام احمدؒ کے ہاں عمرو بن دینار اور ابن جریج دونوں ہی عطا بن ابی رباح کے اخص شاگرد ہیں۔ اس کے سبب کے بارے میں خود ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے عطا کے ساتھ ستر برس کا طویل عرصہ گزارا۔ (تہذیب التہذیب لابن حجر:۴۰۴/۶، التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمۃ :ص۱۵۲ تحت رقم۲۹۸) میں ابن جریج کا قول مذکور ہے کہ میں نے حضرت عطا کی بائیں جانب بیٹھ کر بیس برس تک زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

حالانکہ ابن جریج زبردست مدلس ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اُنہیں مدلسین کے تیسرے طبقے میں ذکر کیا ہے۔ (طبقات المدلسین :ص۵۵، ۵۶۔ الظفر المبین) ان کے بارے میں محدثین کے اقوال ملاحظہ ہوں: (معجم المدلسین للشیخ محمد طلعت:ص۳۱۱ تا۳۲۰، بهجة المنتفح للشیخ أبي عبیده:ص۴۱۶-۴۲۰)

مگر اس کے باوجود امام حمیدیؒ ابن جریج عن عطا کو سماع پر محمول کررہے ہیں جو ہمارے دعویٰ کی دلیل ہے۔

دوسری مثال: امام حمیدیؒ نے دوسری مثال ہشام بن عروۃ عن ابیہ کی بیان کی ہے۔ ہشام کو حافظ ابن حجر نے مدلسین کے پہلے طبقے میں شمار کیا ہے یعنی جن کی تدلیس نادر ہوتی ہے۔ (طبقات المدلسین لابن حجر:ص۳۰، ترجمہ۳۰) مگر راجح قول کے مطابق وہ مدلس نہیں ہیں۔ (التنکیل للمعلمی:ج۱ص۵۰۳)

عدمِ نشاط کی وجہ سے کبھی کبھار اپنے والد محترم سے ارسال کرلیا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور موسیقی پر 'اشراق' کے اعتراضات کا جائزہ از اُستاد ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ (ص ۲۰ تا ۲۳)

هشام بن عروة عن أبيه انتہائی معروف سلسلۂ سند ہے۔

تیسری مثال: امام حمیدیؒ نے تیسری مثال عمرو بن دینار عن عبید بن عمیر کی بیان کی ہے۔ عمرو بن دینار کے جس عمل کو تدلیس قرار دیا گیا ہے، وہ درحقیقت ارسال ہے۔

(التنكيل للمعلمي: ج۲ص۱۴۶، ۱۴۷)

مگر امام حمیدیؒ کی بیان کردہ اس مثال کی دلالت واضح نہیں ہوسکی، کیونکہ امام عبید کی وفات کے وقت امام عمرو بن دینار کی عمر بائیس برس تھی۔ ممکن ہے کہ وہ آٹھ، دس برس اپنے شیخ کی رفاقت میں رہے ہوں۔ مگر اس کی صراحت نہیں مل سکی تاہم امام حمیدیؒ کا قول اس پر دلالت کرتا ہے۔

بہرحال امام حمیدیؒ کی ذکر کردہ تینوں مثالوں میں سے پہلی مثال ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے کہ جو مدلس راوی کسی شیخ کی رفاقت میں معروف ہو تو اس شیخ سے معنعن روایت سماع پر محمول کی جائے گی اگرچہ وہ کثیرالتدلیس مدلس ہی کیوں نہ ہو اور اس کی تدلیس والی روایت قابل اعتبار نہیں ہوگی۔

امام شافعی کے موقف کے خلاف چھٹی دلیل یہ ہے:

چھٹی دلیل: مخصوص اَساتذہ سے تدلیس

کچھ مدلسین مخصوص اَساتذہ سے تدلیس کرتے ہیں۔ اس لیے ان مدلسین کی مخصوص اَساتذہ سے روایت میں سماع کی صراحت تلاش کی جائے گی، باقی شیوخ سے روایات سماع پر محمول کی جائیں گی۔ اس کی معرفت کے ذرائع دو ہیں:

① کوئی ناقدِ فن یہ صراحت کردے کہ یہ راوی صرف فلاں فلاں سے تدلیس کرتا ہے۔ یا یہ کہ فلاں سے تدلیس نہیں کرتا۔

② محدثین ناقدین کے تعامل کی روشنی میں یہ بات طے کی جائے کہ یہ فلاں سے تدلیس کرتا ہے اور فلاں سے نہیں کرتا۔

تنبیہ ①: صحیحین میں مدلسین کی معنعن روایات صحیح ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

تنبیہ ②: بعض مدلسین سے ان کے مخصوص شاگردوں کی معنعن روایت سماع پر محمول کی جاتی ہے۔ جس طرح امام شعبہ کی قتادۃ بن دعامہ سے۔ (مسند ابی عوانہ: ۳۸/۲)

خلاصہ

ہماری اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے ہاں جس راوی نے بھی زندگی میں ایک بار تدلیس کی یا کسی حدیث میں تدلیس ثابت ہوگئی تو اس کی عنعنہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ سماع کی صراحت تلاش کی جائے گی، یہی موقف خطیب بغدادیؒ کا ہے۔

مگر یہ موقف ناقدین فن کے موقف کے برعکس ہے۔ اس لیے مرجوح ہے، کیونکہ:

① محدثین کے ہاں تدلیس کی متعدد صورتیں ہیں جس کے متعدد احکام ہیں۔

② مدلسین کی طبقاتی تقسیم اس کی مؤید ہے۔

③ تدلیس کی کمی وزیادتی کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔

④ ثقہ اور ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے کا حکم یکساں نہیں۔

⑤ مدلس راوی کسی ایسے شیخ سے عنعنہ سے بیان کرے جس سے اس کی صحبت معروف ہو تو اسے سماع پر محمول کیا جائے گا۔

⑥ جو مدلس راوی مخصوص اساتذہ سے تدلیس کرے تو اس کی باقی شیوخ سے روایت سماع پر محمول قرار دی جائے گی۔

⑦ اگر کثیر التدلیس مدلس روایت کو عنعنہ سے بیان کرے تو اس کے سماع کی صراحت تلاش کی جائے گی۔ یہاں یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ محدثین بعض کثیر التدلیس مدلسین کی عنعنہ کو بھی قبول کرتے ہیں جب اس عنعنہ میں تدلیس مضمر نہ ہو۔

⑧ جس مدلس کی روایت میں تدلیس ہوگی تو وہ قطعی طور پر ناقابل قبول ہوگی۔ اس نکتہ پر جمہور محدثین متفق ہیں۔ خواہ وہ مدلس قلیل التدلیس ہو، صرف ثقات یا مخصوص اساتذہ سے تدلیس کرنے والا ہو، وغیرہ

یاد رہے کہ تدلیس کے شک کا ارتفاع صراحتِ سماع سے زائل ہوجائے گا یا متابع یا شاہد تدلیس کے شبہ کو زائل کرے گا۔ یہی متقدمین ومتاخرین کا منہج ہے جس پر انکے اقوال اور تعاملات شاہد ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

اَحکام وشرائع

مسز رضیہ اَزہر ☆

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت واَحکام

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اس لیے ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس کی رضا کے مطابق گزارے اور اس کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہے۔تاہم اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعض ایسے خوبصورت مواقع بھی عطا کیے ہیں جس میں اس کی عبادت کا اجر عام دنوں سے بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

ایسے مبارک اوقات میں ذوالحجہ کے دس دن بھی شامل ہیں جن کی فضیلت قرآنِ کریم اور احادیث میں وارد ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالْفَجْرِ ○ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ (الفجر:۱،۲) ''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔''

امام ابن کثیرؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔

اور اِرشادِ ربانی ہے:﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ﴾ (الحج:۲۸)

''ان معلوم دِنوں میں اللہ کے نام کا ذکر کریں۔''

ابن عباسؓ کا قول ہے:''أيام معلومات سے مراد ذوالحجہ کے ہی دس دن ہیں۔''

امام بخاریؒ اپنی صحیح میں ابن عباسؓ سے روایت لائے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«ما العمل في أيام أفضل من هذه» قالوا: ولا الجهاد؟ قال: «ولا الجهاد إلا رجل خرج يخاطر بنفسه وماله فلم يرجع بشيء» (صحیح بخاری:۹۶۹)

''(ذوالحجہ) کے دِنوں میں کئے گئے اعمال سے کوئی عمل افضل نہیں۔صحابہؓ نے عرض کی: جہاد بھی نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: جہاد بھی نہیں، مگر وہ شخص جو اپنی جان اور مال لے کر اللہ کے رستے میں نکلا اور کسی چیز کے ساتھ واپس نہ لوٹا۔''

☆ جنرل سیکرٹری اسلامک ویلفیئر ٹرسٹ، لاہور

www.KitaboSunnat.com

اِن ایام میں مستحب افعال

ایک مسلمان کو یہی زیبا ہے کہ وہ اس عام بھلائی کے موسموں کا سچی توبہ کے ساتھ استقبال اور خیر مقدم کرے۔ کیونکہ دنیا وآخرت میں اگر کوئی خیر سے محروم ہوتا ہے تو صرف اپنے گناہوں کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾

''تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا بدلہ ہے، وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرمالیتا ہے۔'' (الشوریٰ:۳۰)

گناہ دِلوں پر قدیم اثرات چھوڑ جاتے ہیں۔ جس طرح زہر جسموں کو نقصان پہنچاتا ہے اور جسم سے ان کا نکالنا ضروری ہوجاتا ہے بعینہٖ گناہ بھی دلوں پر مکمل طور پر اثر چھوڑتے ہیں، اسی طرح سیاہ کاریاں الگ کھیتی اُگا دیتی ہیں اور گناہوں کی دوسری آلائشوں کو بھی دعوت دیتی ہیں، جس سے ان کی نمو ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ ان آلائشوں کو انسان کے لئے دلوں سے نکالنا یا علیحدہ کرنا انتہائی دشوار ہوجاتا ہے۔ لہٰذا مسلمانو! سچی توبہ کرتے ہوئے، سیاہ کاریوں اور گناہوں سے دامن بچاتے ہوئے اللہ سے بہ اصرار بخشش طلبی کے ساتھ ان ایام کا استقبال کیجئے اور اللہ عزوجل کے ذکر پر ہمیشگی اختیار کرلیں۔ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اچانک کب اس کو موت کا بلاوا آجائے اور وہ اس دنیاے فانی سے کوچ کرجائے۔

اَب هم ان چند نيك اعمال كا ذكر كرتے هيں:

❶ عام نیک اعمال کثرت کے ساتھ بجالانا

آپ ﷺ نے فرمایا: «ما من أيام أعظم عند الله ولا أحب إليه العمل فيهن من هذه الأيام العشر...» (مسند احمد:۲/۷۵)

اور وہ نیک اعمال جن کے بارے میں عام طور پر لوگ غفلت کا شکار رہتے ہیں، ان میں قرآن کی تلاوت، بہت زیادہ صدقہ کرنا، مساکین پر خرچ کرنا، أمربالمعروف ونهی عن المنكر پر عمل کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

❷ نماز

فرائض کی طرف جلدی کرنا، پہلی صف کے لئے سعی کرنا پسندیدہ اعمال ہیں۔ اسی طرح

www.KitaboSunnat.com

نوافل زیادہ سے زیادہ ادا کئے جائیں، کیونکہ اللہ کے قرب کے لئے کئے جانے والے اعمال میں یہ سب سے افضل عمل ہے۔ثوبانؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«عليك بكثرة السجود لله فإنك لا تسجد لله سجدة إلا رفعك الله بها درجة، وحط عنك بها خطيئة» (صحیح مسلم:۴۸۸)

''اللہ کے آگے کثرت سے سجدہ ریز ہوا کر، اللہ کے آگے تیرے ایک سجدہ کرنے سے اللہ تیرا ایک درجہ بلند کردے گا اور تیری ایک خطا کو مٹا دے گا۔''

نماز کے لئے مکروہ اوقات کے علاوہ یہ نیک عمل ہر وقت کیا جاسکتا ہے۔

۳ روزے

حدیث میں ہے کہ كان رسول الله ﷺ يصوم تسع ذي الحجة، ويوم عاشوراء، وثلاثة أيام من كل شهر (سنن ابوداود:۲۴۳۷)

''آپ ﷺ تسع ذي الحجة، دس محرم اور ہر مہینے کے تین دن (ایامِ بیض) کے روزے رکھتے تھے۔''

حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں:

«أربع لم يكن يدعهن رسول الله ﷺ: صيام عاشوراء، والعشر، وثلاثة أيام من كل شهر، والركعتين قبل الغداة» (مسند احمد:۶/۲۸۷)

''رسول اللہ ﷺ چار کام نہیں چھوڑتے تھے، عاشورا کا روزہ، عشرہ ذوالحجہ کے روزے، اور ہر مہینے کے تین دن (ایام بیض) کے روزے اور فجر کی دو سنتیں۔''

اور آپؐ کا فرمان ہے: «ما من عبد يصوم يوما في سبيل الله إلا باعد الله بذلك اليوم وجهه عن النار سبعين خريفا» (صحیح بخاری:۲۸۴۰،صحیح مسلم:۱۱۵۲)

''جو آدمی اللہ کے رستے میں ایک دن کا روزہ رکھتا ہے، اللہ اس کے اور جہنم کے درمیان ستر سال کی دوری ڈال دیتے ہیں۔''

نبی کریمؐ کا عرفہ کے روزہ کو ذوالحجہ کے دس دنوں میں خاص کرنے کی وجہ اس کی فضیلت کو ظاہر کرنا تھا جیسا کہ آپؐ نے فرمایا: «صيام يوم عرفة احتسب على الله أن يكفر السنة التي قبله والتي بعده» (صحیح مسلم:۱۱۶۲)''عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا، مجھے اُمید ہے

www.KitaboSunnat.com

کہ اللہ تعالیٰ اسے ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ بنا دے۔''

۴ حج وعمرہ کی ادائیگی

نبیﷺ کا فرمان ہے:«والحج المبرور لیس له جزاء إلا الجنة»(صحیح بخاری:۱۷۷۳)

''حج مبرور کی جزا تو صرف جنت ہے۔''

اور فرمایا:«من حج هذا البیت فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته أمه»

''جس شخص نے اللہ کے گھر کا حج کیا اور بے ہودگی وفسق سے بچا رہا تو اس حالت میں لوٹے گا جیسے آج ہی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔'' (صحیح بخاری:۱۸۲۰)

۵ تکبیر، تہلیل اور تحمید

ابن عمرؓ کی روایت پہلے گزر چکی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''اِن دِنوں میں کثرت کے ساتھ تہلیل، تکبیر اور تحمید کیا کرو۔''

امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ ''کان ابن عمر وأبوهریرة یخرجان إلی السوق في أیام العشر یکبِّران ویکبر الناس بتکبیرهما'' (صحیح بخاری قبل حدیث ۹۶۹)

''حضرت عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں بازار میں نکل جاتے اور تکبیریں بلند کرتے اور لوگ بھی ان کے ساتھ تکبیریں کہنے میں مل جاتے۔''

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''وکان عمر یکبر في قبته بمنی فیسمعه أهل المسجد فیکبرون ویکبر أهل الأسوق حتی ترتجَّ منًی تکبیرا'' (صحیح بخاری قبل حدیث ۹۷۰)

''حضرت عمرؓ منیٰ میں اپنے خیمہ میں تکبیریں بلند کرتے جسے مسجد کے لوگ سنتے اور تکبیریں کہتے اور بازار والے بھی تکبیریں کہنا شروع کردیتے حتیٰ کہ منیٰ تکبیروں سے گونج اٹھتا۔''

ابن عمرؓ اِن دِنوں میں منیٰ میں تکبیریں کہتے اور ان کی تکبیریں کہنے کا یہ سلسلہ نمازوں کے بعد، بستر پر، خیمہ میں، مجلس میں اور چلتے پھرتے، سارے دِنوں میں جاری رہتا۔

مردوں کے لئے اونچی آواز میں تکبیریں کہنا مستحب ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور ابوہریرہؓ سے ثابت ہے جبکہ عورتیں یہ تکبیرات پست آواز میں کہیں۔ اُمّ عطیہ فرماتی ہیں:

...حتی نخرج الحیض فیکن خلف الناس فیکبرن بتکبیرهم ویدعون

www.KitaboSunnat.com

بدعائهم ... (صحیح بخاری:۹۷۱)

''حتیٰ کہ ہم حیض والیوں کو بھی عیدگاہ کی طرف نکالیں اور وہ لوگوں کے پیچھے رہیں ان کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں کہیں اور ان کی دعاؤں کے ساتھ دعائیں کریں۔''

ہم مسلمان ہیں اور ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم ایسی سنت جو اَب متروک ہوتی جارہی ہے کا احیا کریں، وگرنہ قریب ہے کہ یہ سنت جس پر سلف صالحین کاربند تھے، اہل خیر واصلاح کو بھی بھلا دی جائے۔ تکبیر دوطرح ہے: ① مطلق ② مقید

اللجنة الدائمة للإفتاء کے ایک فتویٰ میں اس کی صراحت یوں کی گئی ہے:

''عیدالاضحیٰ میں تکبیر مطلق اور تکبیر مقید دونوں مشروع ہیں۔ ذی الحجہ کے مہینہ کے شروع سے ایامِ تشریق کے آخر تک تکبیروں کو تکبیر مطلق کہتے ہیں جبکہ تکبیر مقید یہ ہے کہ عرفہ کے دن صبح کی نماز کے بعد سے لے کر ایامِ تشریق کے آخری دن عصر تک فرض نمازوں کے بعد تکبیرات کہی جائیں۔ اس عمل کی مشروعیت پر اجماع اور صحابہؓ کا عمل دلیل ہے۔'' (۳۱۷/۱۰)

تکبیرات کے الفاظ

① الله أكبر ، الله أكبر ، الله أكبر كبيرًا (بیہقی:۳۱۶/۳)

② الله أكبر كبيرا ، الله أكبر كبيرا ، الله أكبر وأجل ، الله أكبر ولله الحمد

(مصنف ابن ابی شیبہ:۱۶۷/۲)

③ الله أكبر ، الله أكبر ، لا اله إلا الله والله أكبر ، الله أكبر ولله الحمد (ایضاً)

عید کی نماز اَدا کرنا

اسی عشرہ کے آخری دن عیدالاضحیٰ ہوتی ہے۔ عیدالاضحیٰ کی نماز کے لیے بغیر کچھ کھائے پیئے تکبیریں پڑھتے ہوئے عیدگاہ کی طرف جانا سنت ہے اور آپؐ کا یہ عمل تھا کہ آپؐ واپس آکر قربانی کرتے اور اس کا گوشت کھاتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان اَیام سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

www.KitaboSunnat.com

الاستفتاء

حافظ صلاح الدین یوسف☆

خلع اور طلاقِ ثلاثہ کے بعض احکام

وفاقی شرعی عدالت کے سوالنامہ کا جواب

اِن دنوں وفاقی شرعی عدالت میں خلع اور طلاق کے حوالے سے درپیش روزمرہ مسائل کے حوالے سے ایک درخواست زیرسماعت ہے جس میں رہنمائی اور مشاورت کے لئے عدالت مذکور نے ایک سوال نامہ گذشتہ دنوں اِدارۂ محدث کو ارسال کیا۔ اِدارہ نے یہ سوال نامہ مولانا حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ کی خدمت میں پیش کردیا، جس پر اُنہوں نے اپنا موقف حسبِ ذیل تحریر میں بہ تفصیل درج کیا۔ شرعی عدالت کے سوالات کے جوابات قارئین 'محدث' کے استفادہ کے لئے شائع کیے جارہے ہیں۔ ح م

سوال: کیا میاں بیوی کے درمیان عدالتی تفریق (بذریعہ خلع) کے بعد میاں بیوی نکاحِ جدید کے ذریعے دوبارہ ازدواجی زندگی بحال کرسکتے ہیں؟

جواب: اس کا جواب اثبات میں ہے کہ اگر میاں بیوی دونوں دوبارہ صلح کرنا چاہتے ہیں تو باہم رضامندی اور نئے نکاح کے ذریعے سے یہ تعلق زوجیت دوبارہ بحال ہوسکتا ہے۔

اس سلسلے میں فاضل عدالت نے جو تنقیحات مرتب کی ہیں، ان کی وضاحت بالترتیب حسبِ ذیل ہے:

کیا شوہر کو طلاق کے حوالے سے مکمل اور اٹل اختیارات حاصل ہیں؟

جی ہاں! شوہر کو یہ حق حاصل ہے، لیکن اس حق کا استعمال اسلام کی مجموعی تعلیمات کی روشنی میں کرنے کی تاکید ہے یعنی اسلام نے مرد کو یہ تلقین کی ہے کہ نکاح کے بعد عورت کے ساتھ حسنِ معاشرت کا اہتمام کرے، حتیٰ کہ اگر اس کو بیوی کی بعض باتیں ناپسند ہوں، تب بھی اس کے ساتھ نباہ کرنے کی حتی الامکان پوری کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (النساء:١٩)

☆ مدیر شعبہ تحقیق وتالیف دارالسلام، لاہور

www.KitaboSunnat.com

''اور تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو، پھر اگر تم ان کو ناپسند کرو تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی ڈال دے۔''

اسی بات کو رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں اس طرح بیان فرمایا:

«لا يضرك مؤمن مؤمنة، إن كره عنها خُلقًا رضي منها آخر»

''کوئی مؤمن مرد (شوہر) کسی مؤمن عورت (بیوی) سے بغض نہ رکھے، اگر اسے اس کی کوئی عادت ناپسند ہے تو اس کی کوئی دوسری عادت پسند بھی ہوگی۔'' (صحیح مسلم: ۱۴۶۷)

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«واستوصوا بالنساء خيرًا، فإنَّ المرأة خلقت من ضلع، وإن أعوج شيءٌ في الضلع أعلاه، إن ذهبت تقيمه كسرته وإن تركته لم يزل أعوج، استوصوا بالنساء خيرًا» (صحیح مسلم: ۱۴۶۶)

''تم عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو۔ اس لیے کہ عورت کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا بالائی حصہ ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ بیٹھو گے (لیکن سیدھا نہیں کرسکو گے) اور اگر تم اِسے چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھا ہی رہے گا (یعنی عورت کی فطری کجی کبھی ختم نہیں ہوگی، اس لیے اس کو نظر انداز کرتے ہوئے) اس کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔'' (اسکے ساتھ نباہ کرنے کا یہی طریقہ ہے)

عورت کے ساتھ نباہ کرنے کے دو اہم اُصول، مذکورہ دو حدیثوں میں بیان کئے گئے ہیں:

① اس میں جو خوبیاں ہیں، ان پر نظر رکھو اور کوتاہیوں کو نظر انداز کردو۔

② مرد کے مقابلے میں عورت جسمانی لحاظ سے بھی کمزور ہے اور عقلی و ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے بھی فروتر۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد عورت کی کوتاہیوں پر صبر و ضبط اور حوصلہ و تحمل کا مظاہرہ کرے۔ مردانگی و فرزانگی کے زعم میں عورت کے ساتھ سخت رویہ اختیار نہ کرے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عورت تو سیدھی نہیں ہوسکے گی البتہ گھر کے اُجڑنے تک نوبت پہنچ جائے گی۔

بدقسمتی سے عام مسلمانوں میں اِسلامی تعلیمات کا صحیح شعور نہیں ہے، اس لیے ان تعلیمات پر عمل کرنے کا جذبہ و اِحساس بھی نہیں ہے اور یوں ایسے گھر امن و سکون کا گہوارہ ہونے کے بجائے، جہنم کدے بنے ہوئے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ مرد جہالت کی وجہ سے طلاق دینے کا صحیح اور شرعی طریقہ بھی اختیار نہیں کرتے، جو یہ ہے کہ نباہ کی ساری صورتیں اختیار کرنے کے بعد اگر نباہ ناممکن ہوجائے اور جدائی کے بغیر چارہ نہ ہو تو مرد عورت کے حیض سے پاک ہونے کے بعد اس سے صحبت نہ کرے اور حالتِ طہر میں اسے ایک طلاق دے دے، طلاق کی عدت تین حیض (یا تین مہینے) ہیں۔ ان ایام میں عورت کے لیے حکم ہے کہ اس کو گھر سے نہ نکالا جائے۔ (سورۃ الطّلاق) تاکہ اس دوران میں شاید اللہ تعالیٰ صلح ورجوع کی کوئی صورت پیدا فرما دے۔ اگر صلح کی صورت نہیں بنتی اور عدت گزر جاتی ہے تو اب عورت اپنے والدین یا بہن بھائیوں کے گھر چلی جائے، عدت ختم ہونے کے بعد اس کا اب کوئی تعلق خاوند سے باقی نہیں رہا، اس لیے خاوند کے گھر رہنے کا جواز بھی ختم ہوگیا۔

اس طریقۂ طلاق میں جو احسن اور شرعی طریقہ ہے، اس کے بہت سے فوائد ہیں:

◉ ہوسکتا ہے طلاق دینے کے بعد خاوند کا دل پسیج جائے، یا تنہائی کا احساس اسے پریشان کرے، یا بچوں کے مستقبل کا اِحساس اس کے اندر اپنے فیصلے پر نظرثانی کا احساس پیدا کردے، یا گھریلو اُمور ومعاملات کی دشواریاں اس کو سوچنے پر مجبور کردیں، وغیرہ وغیرہ

◉ اس قسم کی تمام صورتوں میں تمام مکاتبِ فکر کے نزدیک بالاتفاق عدت کے اندر رجوع کرنا اور عدت گزر جانے کی صورت میں بذریعۂ نکاح جدید دوبارہ تعلق بحال کرنا جائز ہے۔ کسی اور موقع پر اگر وہ پھر طلاق دے دے گا، بشرطیکہ ایک طلاق دے گا، تو پھر بھی بالاتفاق عدت کے اندر رجوع اور عدت گزرنے پر نکاحِ جدید کرنا جائز ہوگا۔

◉ لیکن اس احسن اور شرعی طریقے کے بجائے، ذرا ذرا سے اشتعال اور معمولی معمولی جھگڑوں پر بیک وقت تین طلاقیں دے دی جاتی ہیں، پھر جب غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے یا بچوں کے مستقبل کا معاملہ سامنے آتا ہے، یا تنہائی کا احساس ستاتا ہے یا بیوی کا پیار اسے یاد آتا ہے تو پھر ندامت کے آنسو بہاتا ہے اور علما کے پیچھے پھرتا ہے۔ اَب جن کے دلوں کو تقلیدی جمود نے پتھروں میں تبدیل کردیا ہوا ہے، ان کو ان گھروں کے اُجڑنے کا، بچوں کا مستقبل برباد ہونے اور دیگر معاشرتی قباحتوں اور خرابیوں کا کوئی احساس نہیں ہوتا اور وہ ان کی طرف رجوع کرنے والوں کو یہی کہتے ہیں: ''اب کیا ہوت، جب چُگ گئیں چڑیاں کھیت''

www.KitaboSunnat.com

یا پھر بے غیرتی اور لعنتی فعل حلالہ کرانے کا مشورہ دیتے ہیں۔

حالانکہ بیک وقت تین طلاقیں دینا بالاتفاق یکسر ناجائز ہے اور نبی ﷺ نے اس پر سخت برہمی کا اظہار فرمایا ہے اور اسے کتاب اللہ کے ساتھ کھیلنا قرار دیا ہے۔

بہرحال بات یہ ہورہی تھی کہ مرد کو طلاق دینے کا بلاشبہ مکمل اختیار حاصل ہے جو شریعت اسلامیہ نے اسے عطا کیا ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں مرد اپنا یہ حق طلاق غیر شرعی، غیر دانش مندانہ طریقے سے استعمال کرتے ہیں جس سے بے شمار گھر برباد ہورہے ہیں اور یہ طریقہ متعدد خرابیوں کا باعث بن رہا ہے۔

چند سال قبل اَخبارات میں اسلامی نظریاتی کونسل کی ایک سفارش اس سلسلے میں شائع ہوئی تھی جس میں بیک وقت تین طلاقوں کو جرم قرار دینے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ یہ سفارش بڑی اہم تھی اور ہے، کاش اس پر کوئی قانون سازی ہوسکے اور اس میں ان وکیلوں اور عرضی نویسوں کو بھی قابل سزا قرار دیا جائے جو بیک وقت تین طلاقیں لکھ کر عوام کو دیتے ہیں۔

سوال ❷: کیا بیوی کو حاصل اختیار، بابت خلع بواسطہ قاضی، محدود اور خاوند کی رضامندی سے مشروط ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب دینے سے قبل خلع کی حقیقت بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

خلع وہ حق ہے جو شریعت اِسلامیہ (اللہ اور اس کے رسول ﷺ) نے مرد کے حق طلاق کے مقابلے میں عورت کو مرد سے علیحدہ ہونے کے لیے دیا ہے۔ اس لیے کہ جب مرد کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اگر وہ عورت کو رکھنا پسند نہیں کرتا تو طلاق کے ذریعے سے اس سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ اسی طرح یہ ضرورت عورت کو بھی پیش آسکتی ہے کہ وہ کسی وجہ سے مرد کو ناپسند کرے اور محسوس کرے کہ وہ اس کو ناپسند کرنے کی وجہ سے خاوند کے وہ شرعی حقوق (حدود اللہ) ادا نہیں کرسکتی جو شریعت نے اس پر عائد کئے ہیں تو وہ اس صورت میں خاوند کا دیا ہوا حق مہر واپس کردے اور اس سے طلاق حاصل کرلے، اسی کا نام خلع ہے۔

یہ معاملہ اگر گھر ہی کے اندر طے پاجاتا ہے اور خاوند یہ محسوس کرتے ہوئے کہ طلاق نہ دینے کی صورت میں خوشگوار تعلقات، جو نکاح کا اصل مقصد ہیں، قائم نہیں رہ سکتے تو وہ عورت کے مطالبۂ طلاق کو تسلیم کرکے طلاق دے دے اور حق مہر واپس لے لے جو وہ شرعاً لینے کا حق

www.KitaboSunnat.com

دار ہے یا معاف کردے (بطورِ احسان کے) تو اس طرح خلع ہوجاتا ہے اور دونوں کے درمیان جدائی ہوجاتی ہے اور یوں معاملہ نہایت خوش اُسلوبی کے ساتھ حل ہوجاتا ہے۔

لیکن یہاں بھی اکثر و بیشتر مردوں کا معاملہ شریعتِ اِسلامیہ کی ہدایات کے خلاف ہی ہوتا ہے بلکہ بہت سے جامد فقہاء وعلماء عورت کے اس حق خلع ہی کو تسلیم نہیں کرتے۔ إنا لله و إنا إليه راجعون، حالانکہ یہ قرآنِ کریم اور اَحادیثِ صحیحہ وقویہ کی صریح نصوص سے ثابت ہے۔

اکثر مرد عورت کے جائز مطالبۂ طلاق کو تسلیم نہیں کرتے، نتیجتاً معاملہ عدالت میں لے جانا پڑتا ہے اور فریقین عدالتوں میں خوار ہوتے ہیں، بلکہ بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ باوجود عدالت کے بار بار سمن جاری کرنے کے خاوند عدالت ہی میں حاضر نہیں ہوتا، بالآخر عدالت یک طرفہ فیصلے پر مجبور ہوجاتی ہے اور وہ خلع کی ڈگری جاری کرکے عورت کی گلو خلاصی کراتی ہے۔ یہاں بھی جامد فقہا یہ موشگافی کرتے ہیں (اللہ ان کو ہدایت دے) کہ خاوند کے طلاق دیئے بغیر طلاق نہیں ہوتی۔ کیا یہ مفتی حضرات یہ چاہتے ہیں کہ ایسی عورت یوں ہی بے یارومددگار بیٹھی خون کے آنسو روتی رہے اور کہیں سے اس کی دادرسی نہ ہو۔

بہرحال فاضل عدالت کے سوال کا جواب یہ ہے کہ عام حالات میں خُلع خاوند کی رضا مندی ہی سے ہوگا، لیکن جہاں خاوند ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عورت کے جائز مطالبۂ طلاق کو تسلیم نہیں کرے گا اور اس کو اور اس کے اہل خانہ کو پریشان کرنے والا رویہ اختیار کرے گا، ایسی صورت میں مجاز افسر، قاضی، یا عدالت ہی کے ذریعے سے خلع حاصل کیا جائے گا۔ خاوند راضی ہو یا نہ ہو، وہ طلاق دے یا نہ دے، عدالت کا فیصلہ ہی طلاق کے قائم مقام ہوگا اور خلع کی ڈگری جاری ہونے کے بعد عدت گزار کر ولی کی اجازت کے ساتھ دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہوگا۔

سوال ③: کیا ایک مجلس کی تین طلاق کو تمام حالات اور بہرصورت تین ہی تصور کیا جائیگا؟

جواب: بلا شبہ مذاہبِ اَربعہ کے فقہا اسے تین طلاقیں ہی شمار کرتے ہیں، لیکن اس پر اِجماع نہیں ہے اور نہ مذاہبِ اَربعہ کا اتفاق اجماع کے مترادف ہے جیسا کہ بعض لوگ یہ دونوں دعوے کرتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت موجود ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں، ابوبکرؓ کی خلافت میں اور حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھیں۔

مسند احمد میں حضرت رکانہؓ کا واقعہ موجود ہے، اُنہوں نے تین طلاقیں دے دی تھیں جس پر وہ سخت نادم ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے استفسار پر جب اُنہوں نے یہ بتایا کہ اُنہوں نے یہ طلاقیں مجلس واحد میں دی تھیں تو آپ ﷺ نے اُنہیں رجوع کرنے کی اجازت دے دی، اور اُنہوں نے رجوع کرلیا۔

صحابہ کرام کے دور میں آج تک علما اور فقہا کا ایک عظیم گروہ مجلس واحد کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرتا چلا آ رہا ہے اور آج بھی متعدد علماے احناف اس مسلک کی صحت کے قائل ہیں اور اپنے ہم مسلک علماے کرام کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ ''طلاقِ ثلاثہ کے مسئلے پر جمود نے عوام کے لیے بڑی مشکلات کھڑی کر رکھی ہیں، اس کا حل یہی ہے کہ اہلحدیث کے موقف کو اس مسئلے میں اپنایا جائے۔''

علاوہ ازیں فقہ حنفی میں بھی یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اگر تو طلاق دینے والے کی نیت صرف طلاق دینے کی تھی، تین طلاق کی نیت نہیں تھی، تو اس کو ایک ہی طلاق شمار کیا جائے گا۔ اس مسئلے کی پوری تفصیل، علمائے احناف کے ایک طلاق ہونے کے فتاویٰ اور دیگر مباحث کے لیے راقم کی کتاب ملاحظہ فرمائیں، جس کا نام ہے:

ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل

مشاہیر اُمت اور متعدد علمائے احناف کی نظر میں

اس کا ایک نسخہ فاضل عدالت کے ملاحظہ کے لیے پیش خدمت ہے۔ علاوہ ازیں ماہنامہ الشریعۃ گوجرانوالہ کے شمارہ بابت جولائی ۲۰۱۰ء میں مفتی محمد شفیع بانی دارالعلوم، کراچی کا ایک فتویٰ 'مجلس واحد کی تین طلاقوں کے ایک طلاق شمار کرنے' کا شائع ہوا ہے اور اُنہوں نے یہ کہا ہے کہ مخصوص حالات میں اس مسلک کو اختیار کرنا جائز ہے۔

سوال ۴: کیا حکومتِ وقت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ تین طلاق کے بعد خاوند کی طرف

www.KitaboSunnat.com

سے حلالہ کی شکل میں جو حیلہ اختیار کیا جاتا ہے، اُس کے تدارک کے لیے کوئی قدم اُٹھائے۔

جواب: یقیناً ایک اسلامی حکومت کو یہ اختیار ہی نہیں بلکہ اس کا فریضہ ہے کہ وہ حرام کاری کی اس صورت کا سدِ باب کرے جو مذہب کے نام پر جاری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے: «لعن الله المحل والمحلَّل له» (جامع ترمذی:۱۱۱۹)

دوسری روایت میں حلالہ کرنے والے کو التیس المستعار (کرائے کا سانڈ) قرار دیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ:۱۹۳۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: کنّا نعد هٰذا سفاحًا على عهد رسول الله ﷺ (تفسیر ابن کثیر: زیرآیت فان طلقها فلا تحل له من بعد... الآیة)

''ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حلالے کی نیت سے کئے گئے نکاح کو 'زنا' سمجھتے تھے۔''

اور حضرت عمرؓ نے فرمایا:

لا أوتى بمحلل ولا محلل له إلا رجمتهما (تفسیر ابن کثیر تحت آیتِ مذکور)

''حلالہ کرنے والا اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا، اگر یہ دونوں میرے علم میں آ گئے تو میں دونوں کو رجم کردوں گا۔''

جب اسلام میں مروّجہ حلالے کی یہ حیثیت ہے کہ یہ لعنتی فعل ہے، اس کو صحابہ عہدِ رسالت میں زنا میں شمار کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے اس کو زنا سمجھتے ہوئے اس پر رجم کی سزا دینے کا اِظہار فرمایا، تو حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس لعنت کا سختی سے سدباب کرے بلکہ ایسے مفتیوں کے لیے بھی جو اس کے جواز کا فتویٰ اور ترغیب دیتے ہیں، سزا تجویز کرے۔

سوال ۵: بدنیتی پر مبنی حیلہ بابت حلالہ پر عمل پیرا شخص کو سزاے رجم کی مناسبت سے حضرت عمرؓ سے منسوب قول کی صحیح تشریح کیا ہے؟

جواب: حضرت عمرؓ کے اس قول کی صحیح تشریح یہی ہے کہ اس حلالے کو حرام قرار دے کر اس پر حدِ زنا نافذ کرنے کے لیے قانون سازی کی جائے۔ اسکے علاوہ اسکی کوئی اور تشریح نہیں ہے۔

سوال ۶: اگر مذکورہ بالا اُمور جرم کے زمرے میں آتے ہیں تو کیا حکومتِ وقت ان جرائم کے لیے کوئی سزا مقرر کرسکتی ہے؟

www.KitaboSunnat.com

جواب: مذکورہ بالا اُمور یقیناً جرم ہیں اور حکومت کو ان کے سدِ باب کے لیے ضرور سزا مقرر کرنا چاہیے۔

سوال ۷: کیا حکومت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ قرآنِ حکیم میں موجود طلاق سے متعلق اَحکام کی روشنی میں بوقتِ طلاق گواہوں کی موجودگی کو ضروری قرار دے؟

جواب: اگر ایسا کرنا ممکن ہو تو گواہوں کی موجودگی کو ضروری قرار دیا جائے، لیکن راقم کے خیال میں ایسا کرنا بظاہر نہایت مشکل ہے، کیونکہ بالعموم طلاق اشتعال اور غصے میں دی جاتی ہے اور اکثر گھر میں سوائے بیوی یا بچوں کے کوئی نہیں ہوتا اور قوم کی جو اَخلاقی حالت ہے وہ محتاجِ وضاحت نہیں، اس میں اس طرح جھوٹ کا دروازہ کھلنے کا بہت امکان ہے۔

اس کے بجائے زیادہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینے کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے اور وکیلوں اور عرائض نویسوں کے لیے بھی سزا تجویز کی جائے تاکہ وہ طلاق نامہ لکھتے وقت صرف ایک طلاق ہی لکھیں اور یہ پوچھ کر لکھیں کہ بیوی کس حالت میں ہے؟ اور پھر وہ مسئلے کی وضاحت کرکے اس کو کہیں کہ جب بیوی کے ایامِ طہر ختم ہوجائیں اور وہ پاک ہوجائے تو پھر اس سے صحبت کیے بغیر ہمارے پاس طلاق لکھوانے کے لیے آنا۔

اس طرح کی قانون سازی اور اس پر پوری سختی سے عمل درآمد سے اور اس کو صحیح طریقے سے مشتہر کرنے سے پچاس فیصد سے زیادہ طلاق دینے کے واقعات ویسے ہی کم ہوجائیں گے بلکہ راقم کے خیال میں ۸۰ فیصد اِمکانات کم ہوجائیں گے۔ بشرطیکہ حکومت مخلص ہو اور سختی سے اس قانون پر عمل درآمد کرا سکے۔اور یہ وقت کی ایک نہایت اہم ضرورت بھی ہے۔

حکومت لاکھوں نہیں کروڑوں روپے اشتہارات پر خرچ کرتی ہے ،اس قانون کی بھی وہ اَخبارات اور ٹی وی وغیرہ پر پبلسٹی کرے تاکہ عوام اس سے آگاہ ہوجائیں اور آئندہ کے لیے محتاط ہوجائیں اور خلاف ورزی کی صورت میں طلاق دہندہ اور عرضی نویس وکیل دونوں کو سزا دینے میں کوئی نرمی اور رو رعایت سے کام نہ لے۔ هٰذا ما عندي و الله أعلم بالصواب!

www.KitaboSunnat.com

تحقیق وتنقید

تحریر: شیخ فہد بن سعد ابوحسین
ترجمہ وتلخیص: حافظ محمد مصطفیٰ راسخ

حج میں شرعی سہولت وآسانی؛ ایک جائزہ

کتابچہ 'افعل ولاحرج' کے تناظر میں

'محدث' جنوری ۲۰۱۰ء میں مشہور سعودی داعی شیخ سلمان بن فہد العودہ کی تحریر 'افعل ولاحرج' کا اُردو ترجمہ شائع ہوا تھا جس میں موصوف نے عصر حاضر میں حجاجِ کرام کی مشکلات اور مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے شریعت میں موجود عمومی سہولیات اور رخصتوں کو کتاب وسنت کی نصوص پر غلبہ دیتے ہوئے حج کے اُمور میں بہت سی پابندیوں کو اُٹھا دینے کا عندیہ دیا تھا۔عصر حاضر میں اس رجحان کی مقبولیت کے پیش نظر سعودی عرب کی وزارتِ اطلاعات نے اس کتابچہ کو وسیع پیمانے پر مفت تقسیم کیا دیگر راسخ فکر علما نے جب اس نظریے کو مصلحت کے شرعی ضابطوں کے منافی پایا تو تعاقب کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔کیونکہ خطرہ تھا کہ اگر حج کے بارے میں رخصتوں کی تلاش کا یہی رویہ اپنا لیا گیا تو اس سے حج جیسا اہم شعار اپنے بنیادی ڈھانچے سے ہی محروم نہ ہو جائے۔چنانچہ اس کتابچے کے ردّ میں کئی سعودی علما نے استدلال کی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے مقاصد اور شرعی احکام کی ہم آہنگی کے باوصف بھی ضروری شرعی تعلیمات پر زور دینے کا موقف اپنایا۔زیر نظر مضمون انہی علما میں سے ایک شیخ فہد بن سعد ابوحسین کی تحریر کا خلاصہ ہے جس میں 'افعل ولاحرج' میں بیان کردہ بے ضابطہ سہولیات کا قرآن وحدیث کی روشنی میں محاکمہ کیا گیا ہے۔جواب میں پیش کردہ اس خلاصہ کے آخر میں محاکمہ کی تائید کے طور پر شیخ صالح بن فوزان الفوزان کی کتابچہ ہذا پر تقدیم اور مختصر تبصرہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔بہرکیف 'افعل ولاحرج' کے مضمون کو سامنے رکھتے ہوئے اس تحریر کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔(محدث)

اُصولی مقدمات

● بلاشبہ آسانی مقاصدِ شریعت میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتے ہیں اور تنگی نہیں چاہتے۔''

دوسری جگہ فرمایا: ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ﴾ (المائدۃ:٦)

''اللہ تعالیٰ تمہیں تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتے۔''

www.KitaboSunnat.com

نیز فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج:۷۸)
''اللہ تعالیٰ نے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔''
نبی ﷺ کا فرمان ہے: «فإنما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسّرين» (صحیح بخاری:۲۲۰)
''تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، تنگی والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔''
دوسری جگہ فرمایا: «إن الدين يسر.....» ''بے شک دین آسان ہے۔'' (صحیح بخاری:۳۹)
نیز سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:
"ما خُيِّر رسول الله بين أمرين إلا اختار أيسرهما مالم يكن إثمًا"
''دو معاملوں کے درمیان جب آپ کو اختیار دیا جاتا آپؐ دونوں میں جو آسان ہوتا وہ اپنا لیتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا۔'' (صحیح بخاری:۳۵۶۰)
نیز فرمایا: «أحبّ الدين إلى الله الحنيفية السمحة» (فتح الباری:۱۱۶/۱)
''اللہ کے ہاں پسندیدہ دین، دینِ حنیف آسان اور نرم دین ہے۔''

اس بارے میں کتاب وسنت میں اور بھی بہت سے دلائل موجود ہیں۔ اس شریعتِ مبارکہ کے آسان ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے ہماری طاقت کے مطابق ہمیں مکلّف بنایا ہے اور اس اُمت سے مشقت اور بارِگراں کو ختم کر دیا ہے۔

- جیسا کہ مسافر کے لیے روزہ چھوڑنے اور نمازِ قصر پڑھنے کی رخصت ہے۔
- بعض گناہوں پر مختلف قسم کے کفارے لاگو کر دیئے ہیں جیسے قسم کا کفارہ وغیرہ۔
- اسی طرح پانی کی عدم موجودگی میں غسل اور وضو کا متبادل 'تیمّم' مشروع ہے۔
- مریض آدمی اگر کھڑے ہو کر نماز اَدا نہیں کرسکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے، اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھ سکتا ہے۔ نیز بعض شرعی اعذار کی بنیاد پر بعض مخصوص افراد سے جمعہ، حج، عمرہ اور جہاد کو ساقط قرار دے دیا ہے۔ الغرض دین آسان ہے، اس امر میں کوئی اشکال نہیں۔ البتہ اس آسانی کو سمجھنے کی ہماری کیفیت میں ضرور اِشکال پایا جاتا ہے۔

❷ اس آسانی کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے فہم کو شریعت سے تشکیل دینے کی کوشش کریں، نہ کہ اپنے خودساختہ فہم کی بنا پر مرضی کی شریعت تشکیل دے لیں۔ مثلاً خواہشاتِ نفس کی مخالفت کرنا مشقت کا کام ہے اور منافقین نماز کے لیے سستی کی حالت میں آتے ہیں

www.KitaboSunnat.com

بخلاف اللہ سے ڈرنے والے مؤمنوں کے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ (البقرۃ:۴۵)

''بے شک یہ نماز بھاری ہے مگر اللہ سے ڈرنے والوں پر۔''

چنانچہ ضروری ہے کہ آسانی وہ ہو جو شریعت کے اُصولوں کے عین مطابق ہو نہ کہ سائل اور مفتی کی خواہشِ نفس کے مطابق۔ نصوصِ شریعت سے متصادم آسانی کو اختیار کرنا غلط ہے، کیونکہ شریعت سے متصادم آسانی دراصل اتباعِ خواہشات کے مترادف ہے جس سے روکتے ہوئے اللہ ربّ العزت نے فرمایا ہے: ﴿لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (الحجرات:۱)

''اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔''

شارع کا شریعت کو وضع کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مکلّف شخص اتباعِ ہویٰ سے نکل کر اللہ کا بندہ بن جائے اور مفتی و عالم دین شخص کا یہی کام ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی عبودیت سے متعارف کروائے اور من چاہی خواہشات کی پیروی کرنے سے منع کرے۔

- اس بنا پر یہ رویہ ہی اُصولی طور پر غلط ہے کہ ہم اَحکامِ شریعت یا حج میں آسانیاں تلاش کرنا ہی اپنا ہدف بنالیں۔
- اور یہ بھی غلط ہے کہ شریعت کے اُصولوں اور مقاصد سے متصادم آسانی تلاش کریں۔

☜ جب یہ امر واضح ہے کہ آسانی 'مقاصدِ شریعت' میں سے ہے تو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس آسانی کے حصول کی شرائط بھی پائی جائیں۔ آسانی ایک عام مقصدِ شرعی ہے، لیکن دیگر مبادیاتِ شریعت کی طرح اس میں بھی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ اِرشادِ باری ہے:

﴿وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ﴾ (التوبہ:۸۱)

''انہوں نے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو، کہہ دیجئے جہنم کی گرمی اس سے بھی سخت ہے اگر وہ سمجھتے ہیں۔''

یہاں فوری طور پر جو بات سمجھ میں آتی ہے کہ شدتِ حرارت میں جہاد کے لئے نکلنا ہی تخفیف کا سبب ہے حالانکہ درحقیقت معاملہ یوں نہیں بلکہ یہ ہے کہ ایسی تخفیف شریعت کے اہم ترین مقاصد یعنی اسلام کو غالب تر کرنے کے عظیم مقصد کے خلاف ہے اور اہل اسلام کو ہر طرح کی شروط و قیود سے آزاد آسانی اور تخفیف اختیار کرلینے سے یہ حقیقی سیادت (غلبۂ

www.KitaboSunnat.com

اسلام) کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

❸ یہ رویہ بھی غلط ہے کہ ہم حلال اور مباحات میں آسانیاں جمع کرنا شروع کردیں اور کہیں کہ ہمارے نزدیک یہ حلال ہے، یہ واجب نہیں ہے۔ جو شخص اس طرح آسانیاں جمع کرنا شروع کردیتا ہے تو گویا اس نے اُصولِ شریعت کے مطابق آسانی کو سمجھا ہی نہیں ہے۔

❁ کیونکہ شریعت کے تمام اَحکام کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہیں۔ جن میں سے بعض کو ہم جانتے ہیں اور بعض کو نہیں جانتے.....

بعض اَحکام فرد کی مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں جب کہ بعض اَحکام معاشرے اور پوری اُمت کی مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم زکوٰۃ میں آسانی کو اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زیورات میں آپ پر زکوٰۃ نہیں ہے یا نہ چرنے والے جانوروں میں آپ پر زکوٰۃ واجب نہیں تو اس فتویٰ سے صاحب مال پر تو آسانی ہوجائے گی، لیکن فقیر کو لازماً تنگی اور ضرر لاحق ہوگا، کیونکہ ہم نے اپنے فتویٰ سے صاحبِ مال کو زکوٰۃ دینے سے منع کردیا۔

اسی طرح سود حرام ہے۔ حرمتِ سود کی عظیم الشان حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے ضرر کو دور کیا جاتا ہے۔ اگر ہم اپنی رائے کے مطابق آسانی سمجھتے ہوئے فقیر کو سود کھانے کی اجازت دے دیں تو درحقیقت ہم نے اس کو ضرر اور تنگی کا فتویٰ دیا ہے۔

اسی طرح چور کی سزا ہے، اگر ہم آسانی کو سامنے رکھ کر چور کا ہاتھ نہیں کاٹیں گے تو اس عمل سے جرائم کی حمایت ہوگی اور شریعت کے مقصدِ عدل کی تنقیص ہوگی اور چور چوری کرنے سے باز نہیں آئے گا۔ ہم اپنی نظر سے آسانی کو دیکھتے ہیں نہ کہ شریعت کی نظر سے۔ بے شک دین کے تمام اَحکام معاشرے اور فرد دونوں کے لیے آسان ہیں، کسی خاص فرد کے لیے نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی طاعون زدہ علاقے میں موجود ہے۔ اب اگر آپ آسانی کو دیکھیں گے تو اس کو اس علاقے سے نکل جانے کی اجازت دے دیں گے، لیکن یہ آسانی باقی معاشرے کے لیے ضرر کا باعث بن جائے گی، کیونکہ ممکن ہے کہ اس شخص کے ذریعہ وہ طاعون دیگر علاقوں میں بھی پھیل جائے۔

❁ اَحکامِ شریعت مکمل طور پر آسان ہیں، لیکن ہمیں اپنی نگاہ سے اَحکام کو آسان یا سخت دیکھنے

www.KitaboSunnat.com

کی بجائے شریعت کی نظر سے دیکھنا چاہئے، کیونکہ دین بہرحال پوری اُمت اور معاشرے کے مصالح کو سامنے رکھ کر مشروع کیا گیا ہے۔

❁ علاوہ ازیں اَحکامِ شریعت کی حکمتیں کبھی ظاہر ہوتی ہیں اور کبھی مخفی۔ اس لیے شارع لوگوں کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا، لیکن شارع کا مقصود یہ بھی نہیں کہ مطلقاً عام مشقت بھی لوگوں کو نہ کرنی پڑے۔

شارع نے اَحکامات کی تشریح میں بندوں کے لیے دنیا وآخرت دونوں جہانوں کی مصلحتیں رکھی ہیں اور یہ مصلحتیں بسا اوقات اعمالِ شاقہ (پرمشقت کاموں) کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں جیسے حج اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"فالله تعالىٰ إنما حرم علينا الخبائث لما فيها من المضرّة والفساد، وأمرنا بالأعمال الصالحة لما فيها من المنفعة والصلاح لنا، وقد لا تحصل هذه الأعمال إلا بمشقة كالجهاد والحج والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر وطلب العلم فيتحمّل تلك المشقة، ويُثاب عليها لما يعقبها من المنفعة كما قال ﷺ لعائشة لما اعتمرت من التنعيم عام حجة الوداع «أجرك على قدر نصبك» وأما إذا كانت فائدة العمل منفعة لا تقاوم مشقته فهذا فساد، والله لايحب الفساد..... الخ» (الفتاویٰ: ۲۵/۲۸۲)

''اللہ تعالیٰ نے خبائث کو اس لیے حرام کیا ہے، کیونکہ ان میں ضرر اور فساد ہے، اور نیک اعمال کرنے کا ہمیں اس لیے حکم دیا ہے، کیونکہ ان میں فوائد اور صلاح وفلاح ہیں۔ اور بسا اوقات یہ نیک اعمال مشقت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے جیسے حج، جہاد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور طلبِ علم وغیرہ۔ اس مشقت کو برداشت کیا جائے گا، کیونکہ اس کے بدلے میں عظیم فوائد و منافع ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سیدہ عائشہؓ کو کہا تھا: تجھے تیری مشقت کے برابر اجر ملے گا، لیکن اگر عمل کا فائدہ مشقت کے برابر نہ ہو تو یہ فساد ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے۔''

قتادہؒ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کام کا حکم دیا ہے تو اپنی حاجت کے لیے نہیں، اور اگر کسی کام سے منع کیا ہے تو بخل کرتے ہوئے نہیں۔ بلکہ ان اُمور کا حکم دیا ہے جن میں بندوں

www.KitaboSunnat.com

کی خیر خواہی ہے اور ان اُمور سے منع کیا ہے جن میں بندوں کا نقصان ہے۔''

(قاعدة في المحبة للشيخ ابن تيمية: ص۱۸۳)

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ ربّ العزت نے اپنے بندوں پر جو معمولی سی مشقت ڈالی ہے وہ شارع کا مقصود نہیں ہے بلکہ اس مشقت سے مکلّف کو جو فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہ دراصل شارع کا مقصود ہے۔''

(الموافقات:۲/۲۱۵)

❁ لہٰذا ضروری ہے کہ آسانی مقاصدِ شریعت کے ساتھ مقید ہو اور معاشرے کے لئے مصالح کے حصول کا سبب ہو۔ چنانچہ بعض مصلحتیں نفوس پر بھاری اَحکام کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ ''بسا اوقات ڈاکٹر مریض کو اس لیے کڑوی دوا دے دیتا ہے تاکہ اس کو فائدہ ہو''۔ (الموافقات:۷/۲۱۹)

❹ شرائط کی رعایت رکھے بغیر مطلقاً قواعد کو لے لینا بھی بڑی غلطی ہے۔ تخفیف کے لیے مؤثر مشقت کی شرائط کو سمجھے بغیر تخفیف حاصل کر لینے سے کبھی ہم بعض ایسے اَوقات میں بھی تخفیف کرلیں گے جو کہ درحقیقت محل تخفیف نہیں ہیں۔

جیسا کہ سیدہ اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! میری بیٹی کا خاوند فوت ہوگیا ہے اور اس کی آنکھیں خراب ہوگئی ہیں۔ کیا میں اس کو سرمہ ڈال دوں؟ نبی کریم ﷺ نے دو یا تین مرتبہ کہا: 'نہیں' اور ہر بار فرمایا کہ یہ تو صرف چار ماہ دس دن ہیں۔ دورِ جاہلیت میں تمہاری یہ حالت تھی کہ متوفی عنہا زوجہا (بیوہ) ایک سال تک بیٹھی انتظار کرتی رہتی، اور سال گزرنے کے بعد لید پھینکتی تھی۔ (صحیح بخاری:۵۳۳۶)

سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری عورت کی شادی ہوگئی اور وہ بیمار ہوگئی۔ بیماری کی وجہ سے اس کے سر کے بال گر گئے۔ چنانچہ اُنہوں نے اس کو وِگ لگانے کا ارادہ کیا اور اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

«لعن الله الواصلة والمستوصلة» (فتح الباری:۵۹۳۴)

''اللہ تعالیٰ وِگ (مصنوعی بال) لگانے اور لگوانے والی پر لعنت کرے۔''

www.KitaboSunnat.com

❁ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے وہم پر مبنی مشقت اور حقیقی مشقت میں فرق کر دیا۔اس سے معلوم ہوا کہ آسانی کا فتویٰ دینے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا حقیقی مشقت پائی بھی جاتی ہے یا نہیں؟اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ آیا یہ مشقت حکم شرعی ہے یا لوگوں نے خود اس کو اپنے اوپر مشقت بنالیا ہے۔مثلاً

زوال سے پہلے رمی کرنے کا مسئلہ

رمی جمار کا وقت زوالِ آفتاب سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے۔جلدی کرنے والا زوال کے فوراً بعد رمی کرلے۔ یہاں لوگوں نے خود اپنے اوپر مشقت پیدا کرلی ہے کہ سب لوگوں کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ زوال کے فوراً بعد رمی کرلیں۔ حالانکہ رمی کا وقت غروبِ آفتاب تک ہے۔یہاں حکم شرعی کا وقت وسیع ہے جس کو لوگوں نے خود تنگ کرلیا ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ گھنٹہ دو گھنٹے کے بعد رش کم پڑ جاتا ہے اور رمی کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ یہاں حکم شرعی میں مشقت نہیں ہے بلکہ یہ مشقت لوگوں کی خودساختہ ہے۔

اگر حجاجِ کرام کی تعداد کم ہوجائے مثلاً ایک لاکھ اور ان میں سے ہر شخص یہی کوشش کرے کہ جمرات کے قریب ہی اس کو جگہ مل جائے جس سے جمرات کے قریب سخت ازدحام پڑ جائے گا۔اب لوگ آکر سوال کریں کہ ہم پر آسانی کرو اور ہمیں مشقت سے بچاؤ اور جمرۂ کبریٰ کے پیچھے منیٰ سے تھوڑا سا باہر رہائش کا فتویٰ دو کیونکہ منیٰ میں سخت رش ہے۔

ہم ان کو یہی جواب دیں گے کہ منیٰ وسیع ہے اور جمرات کے قریب رہائش کرنے سے تم نے خود اس وسیع جگہ کو تنگ کرکے اپنے اوپر مشقت ڈال لی ہے۔لہٰذا تم منیٰ میں ہی قیام کرو، منیٰ سے باہر جائز نہیں ہے۔لیکن اگر واقعی پورا منیٰ بھر جائے اور مشقت یقینی ہوجائے تب ان کو خارجِ منیٰ رہائش کی اجازت دے دی جائے گی۔

یہی صورتِ حال 'رمی جمار' میں ہے۔اگر زوالِ آفتاب سے لے کر غروبِ آفتاب تک مسلسل اِزدحام جاری رہے اور مشقت حقیقتاً پائی جائے تو غروبِ آفتاب کے بعد بھی رمی کی اجازت دی جاسکتی ہے،لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے،کیونکہ گھنٹے دو گھنٹے کے بعد رش میں کمی ہوجاتی ہے۔آج اگر لوگوں کو زوال سے پہلے یا نمازِ فجر کے بعد رمی کرنے کا فتویٰ دے دیا

www.KitaboSunnat.com

جائے تو لوگ اسی وقت میں اِزدحام کرنا شروع کردیں گے اور آنے والے سالوں میں سوال کریں گے کہ رمی کا اوّل وقت کون سا ہے: طلوعِ شمس یا اذانِ فجر؟

❁ بہرحال اُصول یہ ہے کہ اگر مشقت حقیقتاً پائی جائے تو حصولِ آسانی اور تخفیف کے لیے فتویٰ دینا ضروری ہے۔ البتہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ کی تربیت کچھ اس انداز سے کرتے تھے کہ وہ نصوصِ شرعیہ کی تعظیم کریں۔ مثلاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«من حجَّ فلم يرفث ولم يفسق رجع من ذنوبه كيوم ولدته أمه»

''جس شخص نے حج کیا اور فسق و فجور کا کام نہ کیا، وہ گناہوں سے اس طرح صاف ہوگیا جیسے آج ہی پیدا ہوا ہو'' (صحیح بخاری: ۱۵۲۱/۳)

نبی کریم ﷺ صحابہؓ کے دلوں میں حج کی عظمت ڈالتے:

﴿ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (الحج:۳۲)

''جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے، یقیناً یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے۔''

علما اور دعاۃ کو بھی نبی کریم ﷺ کے اسی اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہئے اور ان کے دلوں میں احکامِ شریعت کی عظمت پیدا کرنی چاہئے۔

آج حالت یہ ہے کہ لوگ رخصتیں اور آسانیاں تلاش کرتے پھرتے ہیں اور شرعی اَحکام سے خلاصی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا بنیادی سبب دعوت وتبلیغ کی کمزوری ہے، کیونکہ ہم لوگوں کے دلوں میں احکامِ شریعت کی تعظیم پیدا نہیں کرتے۔

فاضل مؤلف کو چاہئے تھا کہ وہ بھی اپنی کتاب میں نبی کریم ﷺ کے اس شعار «خُذوا عني مناسككم» کو اختیار کرتے اور تربیت کرنے کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ اِسی میں نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال اور اعتقاد کی مکمل اتباع ہے۔

لوگوں کی اس انداز سے تربیت کی جائے کہ وہ حجِ مبرور کے لیے کوشش کریں اور بعض شرعی اَحکام میں کوتاہی کرنے سے اجتناب کریں اور اس مقصدِ سفر سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں جو بسا اَوقات زندگی میں ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے اور حاجی اس عظیم الشان سفر کے نشانات واثرات کو ساری زندگی نہیں بھول پاتا۔

نبی کریم ﷺ نے بھی صحابہؓ کی یہی تربیت کی تھی کہ « خُذوا عنِّي مناسككم» ''مجھ

www.KitaboSunnat.com

سے اپنے مناسکِ حج سیکھ لو۔'' پھر جب صحابہ کرامؓ نے تقدیم وتاخیر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اس کو درست قرار دیا، لیکن شروع اور ابتدا سے ہی آپؐ نے ایسے تربیت نہیں کی تھی کہ اس طرح تقدیم وتاخیر بھی جائز ہے۔

اہل علم کا تربیت کرنے کا طریقہ کار یہی رہا ہے کہ وہ لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی اتباع پر اُبھارتے اور سنت کی تعظیم ان کے دلوں میں راسخ کرتے تھے اور احکامِ شریعت میں تساہل سے بچنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

مؤلفِ ''افعل ولا حرج'' کی بعض علمی لغزشیں

❁ فاضل مؤلف نے اپنی کتاب 'افعل ولا حرج' میں حج کے چند اُمور میں تسہیل وتخفیف ذکر کی ہے جو ہماری نظر میں غیر صحیح ہے۔ہم ان اُمور میں سے چند ایک کو بطورِ مثال نقل کرتے ہیں:

❶ مثال کے طور پر مؤلف اپنی کتاب کے صفحہ ۶۴ پر عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی حدیث «أن رسول الله ﷺ ..... ماسئل عن شيء ؛ قدَّم ولا أخَّر إلا قال: اِفعل ولا حرج» نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اس طرح نبی کریم ﷺ کے فتویٰ سے ملتے جلتے یا غیر منصوص اَحکامات میں مفتی کا شعار «اِفعل ولا حرج» ہی ہونا چاہئے جو ایک اچھا رویہ ہے۔''

وضاحت: معلوم نہیں کہ فاضل مؤلف نے اس نص کو بقیہ نصوص پر کیسے لاگو کر دیا ہے۔ کیونکہ آپ نے ہمیشہ جواز کا فتویٰ نہیں دیا اور بعض اوقات رخصت نہیں دی۔ نیز نبی کریم ﷺ نے «افعل ولا حرج» کہا ہے نہ کہ «اُترك ولا حرج»۔ پھر فتویٰ کے لیے « افعل ولا حرج» کا شعار غیر درست ہے۔کیونکہ متعدد اُمور میں آپؐ نے «اِفعل ولا حرج» سے فتویٰ نہیں دیا بلکہ کوتاہی کی حالت کو دیکھ کر حکم لگایا۔

◉ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے طوافِ اِفاضہ چھوڑنے کی اجازت نہیں دی اور سیدہ صفیہؓ کے بارے میں فرمایا: «أحابستنا هي» ''کیا یہ ہمیں روکنے والی ہے۔''

◉ اور سیدہ اُمّ سلمہؓ کو بیماری کی وجہ سے طوافِ وداع چھوڑنے کی رخصت نہیں دی۔ سیدہ

www.KitaboSunnat.com

اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں:

شكوت إلى رسول الله ﷺ أني أشتكي فقال: «طوفي من وراء الناس وأنكِ راكبة» (زادالمعاد:۲/۲۹۹)

''میں نے نبی کریم ﷺ سے بیماری کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: لوگوں سے ہٹ کر سواری پر سوار ہوکر طواف کرلے۔''

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ سیدہ اُمِ سلمہؓ کا طواف 'طوافِ وداع' تھا۔

◉ اسی طرح جو شخص دورانِ حج قربانی نہ پائے، اسے متبادل شے کی طرف رہنمائی کردی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾

''جو شخص قربانی نہ پائے وہ تین دن دورانِ حج میں اور سات دن واپس وطن لوٹ کر روزے رکھے۔ یہ کل دس روزے بن جاتے ہیں۔'' (البقرۃ:۱۹۶)

☜ جب کہ بعض اَعذار میں آپؐ نے کچھ رخصت بھی دی ہے جیسا کہ «افعل ولا حرج» سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سے محسوس ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعض عذروں پر رخصت دی ہے اور بعض پر نہیں دی۔ اسی طرح آپؐ نے افعالِ حج میں بھی فرق کیا ہے۔ چنانچہ حائضہ عورت کو طوافِ وداع چھوڑنے کی اجازت تو دے دی ہے مگر طوافِ افاضہ چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جیسا کہ سیدہ صفیہؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نہ تو ہر فعل میں رخصت دی جاسکتی ہے اور نہ ہی ہر عذر فعل کو ساقط کرتا ہے، کیونکہ بذاتِ خود نبی کریم ﷺ نے اَعذار اور اَفعال کے درمیان فرق کیا ہے۔ چنانچہ «افعل ولا حرج» کے تحت ہر فعل میں رخصت دینا، یا ہر عذر کی بنا پر فعل کو ساقط کردینا غلطی اور خطا ہے۔

اسی طرح «افعل ولا حرج» کے شعار کے تحت اَعمالِ حج میں مطلقاً تقدیم وتاخیر جائز نہیں ہے۔ چنانچہ متمتع کے لیے حج کی سعی وقوفِ عرفہ سے پہلے کرنا غیر درست ہے۔

❷ فاضل مؤلف اپنی کتاب کے صفحہ ۷۷ پر وقوفِ عرفہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص غروبِ آفتاب سے پہلے میدانِ عرفات سے نکل جاتا ہے تو اس کا وقوف اس کو

www.KitaboSunnat.com

کفایت کرجائے گا۔ امام مالکؒ کے علاوہ تمام ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ امام ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ ہم کسی کو بھی نہیں جانتے جس نے امام مالکؒ کی موافقت کی ہو۔ بعض اہل علم کے نزدیک اس پر دم ہے، لیکن اَقرب یہی ہے کہ اس پر کچھ نہیں ہے، اس کی دلیل عروہ بن مفرس کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«من أدرك معنا هذه الصلاة وأتٰى عرفات قبل ذلك ليلًا أونهارًا، فقد تمَّ حجه وقضٰى تفثه»

وضاحت: ائمہ اربعہ اس امر پر متفق ہیں کہ حاجی پر غروبِ آفتاب تک وقوفِ عرفہ واجب ہے۔ (مفید الأنام لابن جاسر: ص۳۱۶) ابن عبدالبرؒ نے نقل کیا ہے کہ عطا، ابوثور، اسحٰق، داؤد اور طبری کا بھی یہی قول ہے۔ (الاستذکار:۱۳/۳۰)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ

''جمہور اہل علم کے نزدیک غروبِ آفتاب تک وقوفِ عرفہ واجب ہے اور بعض نے اس کو رکن قرار دیا ہے۔'' (اقتضاء الصراط المستقیم:۱/۳۲۱)

تاہم غروبِ آفتاب سے پہلے چلے جانے والے شخص کے حج کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے ایسے شخص کے حج کو صحیح قرار دیا ہے جب کہ امام مالکؒ نے باطل کہا ہے۔ (الاستذکار:۱۳/۲۹) جبکہ فاضل مؤلف نے اس رائے کے خلاف کہا ہے کہ غروبِ آفتاب تک وقوف کرنا سرے سے واجب ہے ہی نہیں۔ بلکہ غروبِ آفتاب سے عرفہ سے چلا جانا جائز ہے اور موصوف نے عروۃ بن مفرس کی حدیث سے استدلال کیا ہے جب کہ یہ حدیث دو وجوہ سے ناقابل استدلال ہے:

① مشرکین غروبِ آفتاب سے پہلے ہی عرفات سے واپس آجاتے تھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے غروبِ آفتاب کے بعد آنے کا حکم دیا۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''مشرکین غروبِ آفتاب سے پہلے عرفہ سے نکل جاتے تھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے غروبِ آفتاب کے بعد نکل کر ان کی مخالفت کی ہے۔ لہٰذا جمہور علما کے نزدیک غروب کے بعد نکلنا

www.KitaboSunnat.com

واجب ہے اور بعض نے اس کو رکن کہا ہے۔'' (اقتضاء الصراط المستقیم:۳۱۹/۱)

② اگر غروبِ آفتاب سے پہلے عرفہ سے نکلنا جائز ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضعفاء اور عورتوں کو ضرور اس کی اجازت دے دیتے جیسا کہ مزدلفہ سے جلدی نکلنے کی اجازت ہے۔

③ اگر اس حدیث کو اس کے ظاہر پر بھی محمول کرلیا جائے تو دیگر نصوص غروبِ آفتاب تک وقوفِ عرفہ کے وجوب پر کافی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے غروبِ آفتاب تک وہاں قیام کیا اور غروبِ آفتاب سے پہلے آپؐ یا صحابہ کرامؓ میں سے کوئی شخص بھی نہ نکلا اور آپؐ کا فرمان ہے: «خذوا عني مناسككم» ''مجھ سے احکامِ مناسک سیکھ لو۔''

④ عروۃ بن مضرس نے رات کو وقوف کیا تھا۔ اگر اس نے دن کو وقوف کیا ہوتا تو نبی کریم ﷺ سے اپنے حج کے بارے میں سوال نہ کرتا کہ میرا حج ہے کہ نہیں؟ نیز یہ حدیث 'حج کافی' پر دلالت کرتی ہے نہ کہ 'حج کامل' پر۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص میقات سے اِحرام نہ باندھے اور میقات سے گزرنے کے بعد باندھ لے تو اس کا حج صحیح ہوگا، لیکن اس پر دَم ہے۔

③ فاضل مؤلف اپنی کتاب کے صفحہ ۸۵ پر رمی جمار کے متعلق لکھتے ہیں کہ

جمہور اہل علم کے نزدیک رمی جمار واجب ہے، کیونکہ خود نبی کریم ﷺ نے رمی کی اور آپؐ کا قول ہے: «خُذُوا عني مناسككم»

جب کہ امام مالکؒ (سے ایک روایت میں) یہ سنتِ مؤکدہ ہے اور سیدہ عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے، لیکن راجح مذہب جمہور کا ہے کہ رمی جمار واجب ہے۔ پھر مؤلف نے کتاب کے حاشیے میں المجموع للنووي (۱۳۸/۸) اور فتح الباری (۵۷۹/۳) کا حوالہ دیا ہے۔

وضاحت: فاضل مؤلف نے امام مالکؒ سے المجموع اور فتح الباری کے حوالے سے سنتِ مؤکدہ نقل کیا ہے، لیکن امام ابن حجرؒ کے حوالے سے، جو میں جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ جمہور اہل علم کے نزدیک رمی جمار واجب ہے اور اس کے چھوڑنے پر دَم ہے اور مالکیہ کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہے جس کو ادا کرنا ضروری ہے۔ مالکیہ کے ہاں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی کرنا حج کا رکن ہے۔ اسکے چھوڑنے سے حج باطل ہوجاتا ہے۔ (فتح الباری:۶۷۷/۳)

اس عبارت کے دو صفحات بعد، میں نے پڑھا ہے کہ ابن حجرؒ امام مالکؒ سے روایت کرتے

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ جس شخص نے سات سے کم کنکریاں ماریں اور وہ تدارک نہ کرسکا تو اس پر دَم ہے۔
(فتح الباری:۲/۶۷۹)

امام نوویؒ جمرہ عقبہ کی رمی میں علما کے مذاہب بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ واجب ہے۔ [المجموع للنووي:۸/۱۷۷]

امام نوویؒ ہی امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کی تین کنکریاں فوت ہوگئیں، اس پر دم دینا واجب ہے۔[المجموع:۸/۲۶۹]

امام نوویؒ ہی امام مالک سے نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کی ایک کنکری رہ گئی، اس پر بھی دم دینا واجب ہے۔[المجموع:۸/۲۷۰]

❹ فاضل مؤلف اپنی کتاب کے صفحہ ۸۹ پر کنکریوں کی تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ
''بسا اوقات ان ذیلی اُمور میں تاکید وسوسہ کا سبب بن جاتی ہے اور حاجی کو شک ہوجاتا ہے کہ آیا اس نے چھ کنکریاں ماریں یا سات، اس کی کنکریاں حوض کے اندر گری ہیں یا باہر؟ سنن نسائی میں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع سے واپس آرہے تھے بعض کہتے کہ ہم نے سات کنکریاں ماری ہیں، بعض کہتے کہ ہم نے چھ کنکریاں ماری ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی کسی پر عیب نہ لگاتا تھا۔''

وضاحت: رمی کے سو فیصد مکمل ہونے کو یقینی بنانا دراصل شعائرِ حج کی تعظیم ہے۔علماء اور مصلحین کا یہی طریقہ کار رہا ہے، کیونکہ اس منسک کا کمال ہی مطلوب ہے۔البتہ چھ کنکریوں کے کفایت کرجانے کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔

مجاہد، اسحٰق اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک چھ کنکریاں ہی کفایت کرجائیں گی۔ ان کی دلیل سیدنا سعد بن ابی وقاص کی مذکورہ حدیث ہے۔

[الاستذكار لابن عبدالبر:۱۳/۲۲۴،الشرح الكبير:۹/۲۴۳]

جب کہ امام شافعیؒ، طاؤس، اصحابُ الرائے اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک سات کنکریاں مارنا واجب ہے۔اُنہوں نے نبی کریم ﷺ کے عمل سے دلیل لی ہے، کیونکہ آپؐ نے سات کنکریاں ماریں تھیں۔ (الشرح الكبير:۹/۲۴۳)

سلف رمیِ جمار میں تاکید سے کام لیتے اور اس کا اہتمام کرتے تھے اور لوگوں کے دلوں میں

www.KitaboSunnat.com

اس کی عظمت پیدا کیا کرتے تھے۔امام مالکؒ سے مروی ہے کہ اگر کسی شخص نے مکمل رمی چھوڑ دی یا ایک جمرہ کی رمی چھوڑ دی یا ایک کنکری کم ماری اور ایامِ منیٰ گزر گئے تو اس پر دم ہے۔امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ جس شخص کی ایک کنکری رہ گئی، وہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔اَوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ صدقہ کرے۔امام ثوریؒ فرماتے ہیں: ایک، دو اور تین کنکریاں کم ہونے کی صورت میں کھانا کھلائے گا لیکن اگر چار یا چار سے زائد کنکریاں نہ ماریں تو اس پر دم ہے۔

امام لیثؒ فرماتے ہیں کہ ''ایک کنکری میں بھی دم ہے۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک کنکری میں ایک مد اور دو کنکریوں میں دو مد کھانا کھلایا جائے گا جب کہ تین کنکریوں کے رہ جانے میں دم ہے۔امام شافعیؒ کا دوسرا قول امام لیثؒ کی مانند بھی منقول ہے، لیکن یہ پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔

(التمهيد لابن عبد البر:۱۷/۲۵۵،الاستذكار:۱۳/۲۲۳)

پتہ نہیں سلف نے ہمارے اوپر سختی کی ہے یا ہم تساہل برتنے لگ گئے ہیں۔

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ فرماتے ہیں:

''حاجی کے لیے ضروری ہے کہ اس کو کنکری کے حوض میں گرنے کا علم ہو یا ظنِ غالب ہو۔اگر کسی شخص کو اس کی کنکری حوض میں گرنے کا علم یا ظن غالب نہیں ہے تو اس پر دوبارہ کنکری مارنا واجب ہے۔اگر اس نے رمی کا وقت گزر جانے تک دوبارہ کنکری نہ ماری تو اس پر دم ہے جس کو وہ مکہ میں ذبح کرے گا اور وہاں کے فقرا میں تقسیم کردے گا۔

(فتاویٰ شیخ ابن باز:۱۷/۳۷۹)

شیخ ابن بازؒ سے سوال کیا گیا کہ اگر کسی شخص کو یہ شک پڑ جائے کہ اس کی کچھ کنکریاں حوض سے باہر گر گئی ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو شیخ نے جواب دیا: اس پر تکمیل واجب ہے۔

(فتاویٰ الحج والعمرۃ:ص۱۱۳)

اگرچہ صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ بعض نے چھ اور بعض نے سات کنکریاں ماریں مگر افضل اور اَکمل سات ہی ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے سات کنکریاں ماریں تھیں۔

❺ فاضل مؤلف اپنی کتاب کے صفحہ ۹۰ پر لکھتے ہیں کہ

''میری رائے کے مطابق زوال سے پہلی رمی کی جاسکتی ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

وضاحت: اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ مؤلف نے زوال سے قبل رمی کرنے کے جواز پر علما کے اَقوال ذکر کئے ہیں، لیکن یہاں زوال سے قبل عدمِ جواز کے اقوال بھی موجود ہیں:

* ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے عطا کو فرماتے ہوئے سنا: ''زوالِ شمس سے پہلے جمرہ کی رمی نہ کرنا'' اب میں نے اپنے آپ کو اس کا عادی بنا لیا ہے۔
* شیخ صالح بلیہیؒ کی کتاب السلسبیل میں بھی زوال سے پہلے رمی کرنے کے عدمِ جواز کا تذکرہ موجود ہے۔ (۱/۴۱۰)
* شیخ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا اسی پر عمل ہے۔ نیز ائمہ ثلاثہ اور جمہور اہل علم بھی اسی کے قائل ہیں کہ زوال سے پہلے رمی کرنا جائز نہیں ہے۔ (الشرح الکبیر: ۹/۲۴۰، المجموع: ۸/۲۶۹)
* شیخ محمد بن ابراہیم، شیخ عبدالحمید بن حمید، سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز اور شیخ محمد بن صالح عثیمین بھی زوال سے پہلے رمی جمار کے عدمِ جواز کے قائل ہیں۔
* نافع سے مروی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے:

"لا ترم الجمار في الأيام الثلاثة حتى تزول الشمس....."

''ان تین دنوں میں زوالِ شمس سے پہلے رمی نہ کرنا۔'' (موطا: ۲۱۷، بیہقی: ۵/۱۴۹)

* اگر زوال سے پہلے رمی کرنا جائز ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضعفا اور عورتوں کو ضرور اس کی اجازت دے دیتے جیسا کہ مزدلفہ سے جلدی منیٰ جانے کی اجازت دے دی تھی، کیونکہ یہ انتہائی رش کا مقام ہے۔
* امام ابن عبدالبرؒ نے زوال کے بعد رمی کرنے کے وجوب پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے۔ (التمہید لابن عبدالبر: ۶/۲۷)
* شیخ محمد صالح العثیمین فرماتے ہیں کہ اگر زوال سے پہلے رمی کرنا جائز ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضرور زوال سے پہلی رمی کرتے، کیونکہ یہ بندوں پر آسان ہے اور نبی ﷺ کا طریقہ کار یہ تھا کہ ہمیشہ دو اختیاری اُمور میں سے آسان تر پر عمل کرتے تھے اگر وہ گناہ نہ ہوتا۔ یہاں نبی کریم ﷺ کا اس آسان امر کو اختیار نہ کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

یہ گناہ ہے۔ (فتاویٰ الحج والعمرۃ:ص۱۱۱)

❋ مؤلف نے بطورِ دلیل حضرت ابن عباسؓ کا اثر نقل کیا ہے کہ زوال سے پہلے رمی کرنا ابن عباسؓ سے مروی ہے جب کہ اس روایت کو امام بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ نقل کیا ہے لہٰذا یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔ (بیہقی:۱۵۲/۵)

دوسری طرف ابن ابی شیبہؒ نے وکیع عن ابن جریج عن ابن ابی ملیکہ کے طریق سے ابن عباسؓ کا فعل نقل کیا ہے کہ اُنہوں نے زوال سے پہلے چاشت کے وقت رمی کی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۱۹/۳) لیکن راوی حدیث ابن ابی ملیکہ نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ ابن عباسؓ نے کس دن یہ رمی کی تھی، ممکن ہے کہ یہ یوم العید ہو۔ بہرحال اس اثر میں احتمال ہے، اس میں یوم العید یا ایامِ تشریق کو رمی کرنے کے دونوں احتمال موجود ہیں۔

امام ابن عبدالبرؒ نے سیدنا ابن عباسؓ سے ایک اور اثر نقل کیا ہے کہ زوال سے پہلے کی گئی رمی کافی نہیں ہے۔ (التمہید لابن عبدالبر:۲۷۲/۷)

❋ ❋ ❋

تقدیم از الشیخ صالح بن فوزان الفوزان

تمام تعریفیں ربّ العالمین کے لیے ہیں اور درود وسلام ہوں ہمارے نبی محمد ﷺ، آپؐ کی آل، اصحاب اور تابعین پر۔

حمد وثنا کے بعد! میں نے فضیلۃ الشیخ فہد بن سعد ابوحسین کی لکھی ہوئی یہ بحث بعنوان "کیف نفھم التیسیر؛ وقفات مع کتاب اِفعل ولا حرج" پڑھی ہے جو میرے علم کے مطابق ایک گراں قیمت بحث ہے۔ مؤلف نے اسے اس مقدمہ سے شروع کیا ہے جس میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ کوئی بھی دل اس وقت تک حق پر قائم رہ سکتا ہے جب تک وہ امر ونواہی کی تکریم کرے۔ مناسکِ حج بھی اللہ کے شعائر میں سے ہیں اور ان کی تکریم و تعظیم کرنا بھی دلوں کی پاکیزگی کی علامت ہے۔ جب کہ اَوامر کی تکریم کی نشانی یہ ہے کہ ان کی اَدائیگی کے اَوقات اور مقررہ حدود کا خیال رکھا جائے، ان کے اَرکان اور واجبات کی جستجو کی جائے اور اُنہیں ان کے مقررہ اوقات میں بہ تمام وکمال اَدا کرنے کی کوشش کی جائے اور

www.KitaboSunnat.com

اس مفہوم میں فاضل مؤلف نے کئی ایک علماء کے اقوال نقل کئے ہیں جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیمؒ اور فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ پھر شیخ فہد نے زیرنظر کتابچہ پر عبداللہ بن بیہ کے تحریر کردہ پیش لفظ کا مناقشہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اُنہوں نے علماے کرام کے کلام کا غلط مفہوم مراد لیا ہے اور اس طرح شیخ نے عبداللہ بن بیہ کی کئی ایک باتوں کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔

پھر مؤلف نے شیخ سلمان العودۃ کا مناقشہ کیا ہے اور ان کی کئی ایک باتوں پر تنقید کی ہے اور اُنہیں کئی ایک باتوں پر غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ مثلاً نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ کو اپنے کلام پر عمل کرنے کی تربیت دیتے تھے اور حج وغیرہ کے اَحکام میں اُنہیں اپنی اتباع پر اُبھارتے تھے اور ان کے دلوں میں نصوصِ شرعیہ کی تکریم وتعظیم کا بیج بوتے تھے۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے بتایا کہ مذکورہ کتاب میں قواعد وضوابط کی پیروی بھی نہیں کی گئی، کیونکہ افعل و لا حرج کو بنیاد بنا کر دروازہ کھول دینا لوگوں کے لیے احکامِ حج سے عدم توجہی اور ان کی بے قدری کا سبب ہے جبکہ نبی ﷺ نے حج کے اُمور کو منضبط کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''مجھ سے مناسکِ حج سیکھ لو۔''

علاوہ ازیں شریعت کے مشکل اُمور کو لوگوں کے سامنے رکھے بغیر احکام شریعت کو ان کے من پسند انداز اور خواہشاتِ نفسانیہ کے مطابق پیش کرنے سے عدمِ توازن پیدا ہوگا اور حج کے شرعی مقاصد کو مطلوب طریقے کے مطابق اَدا نہ کرنے اور ان میں پنہاں روحانیت کو نہ اپنانے کا رجحان پیدا ہوگا جب کہ میانہ روی مطلوب ہے اور میانہ روی کتاب وسنت ہی کی پیروی کا نام ہے۔ اور یہ کہ بلاشبہ بہت ساری نصوص تشدد اور سختی سے اجتناب کے متعلق وارد ہوئی ہوتی ہیں پس جس طرح تشدد کا انکار ضروری ہے، اُسی طرح اس آسانی کا انکار بھی ضروری ہے جو شریعت سے متصادم ہو۔

اور یہ کہ مفتی کے لیے مناسب ہے کہ فتویٰ دینے سے قبل اپنے نفس کی نجات کے متعلق غور کرے اور پھر فتویٰ دے کیونکہ فتویٰ دینا ربّ العالمین کی طرف سے دستخط کرنے کے مترادف ہے۔ اور اسے مؤلف نے عبادت کے ظاہر میں منہمک ہوجانے اور عبادت کی اصل روح اور مغز کے کھو دینے کو برا قرار دیا ہے اور یہ کہ مناسک کے مقصود اور غرض کو سمجھنا جبکہ عمل کی اہمیت

www.KitaboSunnat.com

کونظر انداز کر دینا غلطی ہے۔

اسی طرح فاضل مؤلف نے صاحب کتاب افعل ولا حرج کے اس قول کو بھی ہدف تنقید ٹھہرایا ہے کہ مفتی کو چاہئے کہ ایسے تمام معاملات جن میں کوئی فعل موجود نہ ہو، یا وہ معاملات جن میں نبی اکرم ﷺ نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا ہے یہی کلمہ ہے۔فاضل ناقد کا کہنا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ اُنہوں نے کس بنا پر اس نص کو دیگر نصوص پر مقدم کر دیا ہے اور اُن سے پہلے اس قول میں ان کے پیشرو کون ہیں؟اس طرح مؤلف کی اس بات کو بھی غلط قرار دیا ہے کہ عرفہ سے غروبِ شمس سے قبل لوٹنا جائز ہے، کیونکہ عرفہ میں غروبِ شمس تک وقوف کرنا بعض علما کے نزدیک واجب اور بعض کے نزدیک رکن ہے۔

مزید برآں مؤلف کے فقہا پر اس اعتراض کو بھی غلط قرار دیا ہے کہ فقہا فرضی اور تاحال پیش نہ آنے والے مسائل بھی ذکر کیا کرتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ فقہا ان مسائل کو اس لیے ذکر کرتے ہیں کہ نئے پیش آمدہ مسائل پر ان کو منطبق کیا جا سکے اور طالب علم میں فقہی مسائل کے استنباط کا ملکہ پیدا کیا جائے نہ کہ محض اس لیے بغیر قواعد وضوابط کے فرضی مسائل میں رائے زنی کرتے رہیں۔

اسی طرح افعل ولا حرج نامی کتاب کے مصنف نے اس بات کو بھی غلط قرار دیا ہے کہ ایامِ تشریق میں زوال سے قبل رمی جمار جائز ہے اور اس باب میں فاضل مؤلف نے علما کے اَقوال نقل کر کے اس موقف کو راجح ثابت کیا ہے کہ زوال سے قبل رمی ناجائز ہے اور اس بحث کی اہمیت کے پیش نظر اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔جبکہ شیخ فہد کا ان تمام مناقشات سے مقصود محض تسہیل کا حصول ہے۔اہل علم ہمیشہ سے ایک دوسرے کی تردید کرتے رہے ہیں جیسا کہ امام مالکؒ کا فرمان ہے کہ

''ہم میں سے ہر کوئی ایک دوسرے کی تردید کر بھی سکتا ہے اور خود اس کی بات کی بھی تردید ہو سکتی ہے سوائے رسول اللہ ﷺ کے۔''

تتمہ از شیخ صالح بن فوزان الفوزان

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے شریعت مقرر کی اور آسان فرمائی۔''اور اس

www.KitaboSunnat.com

نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی۔'' (الحج:۷۸) حج اور دین کے دیگر احکامات میں آسانی صحیح دلائل کے امر ہی سے ہوگی جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مشروع کیا ہوگا۔ انہی احکامات میں سے حج اور عمرے کی عبادت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''حج اور عمرے کو اللہ کے لیے پورا کرو۔'' (البقرۃ:۱۹۶) اور ان کا اِتمام ان کے مناسک کو اس طریقے پر ادا کرنے سے ہوگا جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان کو ادا کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بلاشبہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات ہی بہترین نمونہ ہے۔''

(السنن الکبری للبیهقي:۱۲۵/۵)

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''مجھ سے حج وعمرہ کی ادائیگی کے طریقے سیکھ لو۔''

یعنی ان کو اس طریقے کے مطابق ادا کرو جس کے مطابق میں نے ادا کیا ہے، نہ کہ ان رخصتوں کے مطابق جو علما نے کتاب وسنت سے دلیل کے بغیر تراشی ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں سے اولی الامر کی۔ پس اگر تم میں کسی چیز میں جھگڑا ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور مال کے اعتبار سے اچھا ہے۔'' (النساء:۵۹)

اب اس آیتِ کریمہ میں ہے کہ ہم پر علما کے انہی اقوال کو لینا واجب ہے جن پر کتاب وسنت دلالت کرتی ہو، نہ کہ ان کو جو ہماری خواہشات اور دلچسپیوں کے موافق ہو اور جن کی صحیح دلائل کے اعتبار سے کوئی حیثیت نہ ہو۔ اسی طرح شرعی دلائل کو ان کے غیر مدلول معنی میں بھی استعمال نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ یومِ نحر کے اعمال کو ایک دوسرے پر مقدم ومؤخر کرنے پر کچھ لوگوں نے نبی اکرم ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: «افعل ولا حرج» ''ٹھیک ہے، کرتے رہو اور کوئی حرج نہیں۔''

اب اگر اس دلیل کو کوئی ہر قسم کی تقدیم وتاخیر کے جواز بلکہ حج کے واجبات وافعال کے ترک کے لیے استعمال کرے تو یہ اس دلیل کا غلط استعمال ہوگا۔ اس قول کو فراموش کر دینے

www.KitaboSunnat.com

کے مترادف ہوگا کہ ''حج اور عمرے کو اللہ کے لیے پورا کرو'' جبکہ حج اور عمرے کا وہ اِتمام جس کا اللہ نے مذکورہ آیت میں حکم دیا ہے، اس کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوگا کہ ان کے تمام مناسک کی ادائیگی اللہ اور رسول ﷺ کے مقرر کردہ زمان ومکان میں کی جائے نہ کہ کسی ایسے قول یا فتوے کی بنیاد پر جس کی کوئی دلیل نہ ہو یا پھر «افعل و لا حرج» کو سہارا بنا لیا جائے اور اس کلمے کو اس زمان، مکان یا اُن افعال کے علاوہ کسی اور جگہ استعمال کیا جائے جن کے لیے نبی اکرم ﷺ نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا ہے۔

کیا رسول اللہ ﷺ نے غروبِ شمس سے پہلے عرفہ سے لوٹنے والے کو بھی کہا تھا کہ «افعل و لا حرج» ''کرتے جاؤ اور کوئی حرج نہیں۔''؟

کیا ایامِ تشریق میں زوالِ شمس سے پہلے رمی کرنے والوں کو بھی نبی ﷺ نے یہی کہا تھا؟

اور کیا عرفات کے بجائے وادی نمرہ یا وادی عرفہ میں وقوف کرنے والے کو بھی اسی طرح ارشاد فرمایا تھا؟

کیا نصف رات سے قبل مزدلفہ سے لوٹ آنے والے کو بھی یہی جواب دیا تھا؟

اور کیا مزدلفہ اور منیٰ میں رات نہ گزارنے والوں کو بھی یہی کہا تھا جب کہ وہ ان دونوں مقامات میں رات گزارنے پر قادر تھے؟

اور کیا بغیر طہارت بیت اللہ کا طواف کرنے والے کو بھی یہی کہا تھا.....!!

ظاہر ہے کہ ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تمام اُمور کو ان کی مناسب جگہ پر اور تمام دلائل کو ان کے مناسب حال اُمور پر رکھا جائے اور ضروری ہے کہ مطلق اور مجمل کو بھی بیان کر دیا جائے جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے کہا ہے:

''تم پر بات کو کھول کر بیان کر دینا لازمی ہے، کیونکہ اجمال اور اطلاق بعض اوقات خلط مبحث کا سبب بنتے ہیں اور عقول وافہام کو تشویش میں مبتلا کر دیتے ہیں۔''

اور ہمیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ جہاد میں مشقت لازمی ہوتی ہے، یہ کوئی تفریحی سفر نہیں ہوتا جب کہ مناسک کی ادائیگی کے لیے اللہ نے زمان اور مکان ہر دو اعتبار سے وسعت رکھی ہے۔ مکان کی وسعت اس اعتبار سے کہ رسول اللہ کا فرمان ہے:

www.KitaboSunnat.com

''میں نے یہاں وقوف کیا ہے اور مزدلفہ تمام کا تمام جاے وقوف ہے۔''

اور نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ کا طواف پیدل اور سوار ہوکر دونوں طرح کیا ہے۔ اس طرح طوافِ افاضہ اور سعی کا وقت عید والے دن آدھی رات سے شروع ہوجاتا ہے جب کہ اس کے اختتام کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اور جمرہ العقبہ کی رمی کا وقت دسویں کی نصف رات سے شروع ہوکر گیارہویں تاریخ کی شام تک وسیع ہے۔ اور تینوں جمرات کی رمی کا وقت زوالِ شمس سے شروع ہوکر بارہویں تاریخ کی شام تک وسیع ہے اور تیرہویں کی رات اس شخص کے لیے ہے جو جلدی کرے اور جو تاخیر سے کرنا چاہے، اس کے لیے تیرہویں کی غروبِ شمس تک وقت ہے اور نبی ﷺ کی تمام وادی رات گزارنے کی جگہ ہے اگر لوگ ناجائز تصرفات نہ کریں اور اپنی لالچوں کو ملحوظ نہ رکھیں تو یہ وادی حجاج کے لیے تنگ نہیں ہے، اگر اس کی صحیح قدر کی جائے اور ہر کوئی قابل کفایت جگہ تک محدود رہے اور باقی اپنے بھائیوں کے لیے چھوڑ دے۔ بصورتِ دیگر ضرورت سے زائد جگہ روکنے پر وہ اس شخص کے گناہ کا ذمہ دار ہوگا جو جگہ نہ ملنے کے سبب منیٰ سے باہر رات گزارے۔

قسم ہے کہ شہر لوگوں کے لیے تنگ نہیں ہوتے بلکہ لوگوں کے اخلاق ہی تنگ ہوجایا کرتے ہیں۔ بات کو کھول کر بیان کردینے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ''حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے مکمل کرو۔'' اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ''مجھ سے مناسک حج وعمرہ سیکھ لو۔''

رہا آپؐ کا فرمان: «افعل ولا حرج» تو یہ ایسے شخص کو کہا جائے گا جس سے یوم عید کو کئے جانے والے مناسک میں تقدیم وتاخیر ہو جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر یہ الفاظ کہے تھے جن لوگوں سے چار مناسک: رمی، نحر، سرمنڈوانے، طواف اور سعی میں تقدیم وتاخیر ہوئی تھی اور نبی اکرم ﷺ نے لوگوں سے یہ الفاظ اِن غلطیوں کے صدور کے وقت کہے تھے نہ کہ پہلے ہی سے ارشاد فرمادیئے تھے، کیونکہ «افعل ولا حرج» کے پیغام کو تمام لوگوں تک غلطی کے صدور سے پہلے پہنچا دینا اعمالِ حج میں خلل اندازی کا سبب بنے گا۔

ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ علم نافع، عمل صالح اور اپنی رضا کے لیے مخلص ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ ہمارے نبی محمد ﷺ، آپؐ کی آل اور اصحابؓ پر رحمت کرے۔ آمین!

www.KitaboSunnat.com

تعلیم و تعلم

مولانا محمد بشیر *

بچوں کو قرآنی عربی سکھانے کا طریقہ

میرا آج کا موضوع یہ ہے کہ اپنی عظیم اسلامی درسگاہوں میں کمسن بچوں کو قرآنِ کریم کی تدریس کے دوران عربی زبان کیسے پڑھائیں؟ اس سے قبل میں اپنے دو مضامین ** میں سورۃ فاتحہ اور پھر سورۃ بقرہ کے پہلے رکوع کی تدریس کے دوران عربی زبان کی تعلیم و تربیت پر مثالوں سمیت لکھ چکا ہوں۔ ان مضامین کا تعلق اسلامی مدارس کے درجہ اولیٰ اور بعد کے اُن درجات سے تھا جس میں ان کے سب سے پہلے اور اہم مضمون ترجمۃ القرآن الکریم کی تدریس ہوتی ہے۔ میری رائے میں اس کا یہ نام اور طریقۂ تدریس دونوں قابل اصلاح ہیں۔ اس کا صحیح نام تدریس القرآن الکریم یا تعلیم القرآن الکریم ہونا چاہئے اور اس کی تدریس کے دوران قرآن وحدیث کی آسان عربی زبان کے بولنے اور لکھنے کی مشق اور تربیت (زبانی اور تحریری دونوں طرح) کرائی جائے، جس کے ۵۰ درجے ہونے چاہئیں اور ترجمہ کرنے کے صرف ۲۰ درجے ہوں۔

آج کے موضوع کا تعلق اُن کمسن بچوں کی تعلیم و تربیت سے ہے جو قاعدہ یسرنا القرآن یا ناظرہ قرآن کریم پڑھتے ہوں یا شعبہ تحفیظ القرآن الکریم یا کسی پرائمری یا مڈل سکول کے طالب علم ہوں، یا بڑی عمر کے ایسے شہری ہوں جو بنیادی عربی زبان سیکھنے کے خواہشمند ہوں۔

اس موضوع پر بات کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ ہم پہلے اپنے عزیز بچوں کی تعلیمی پوزیشن، ان کی ابتدائی درسگاہ کے ماحول اور تعلیم و تربیت کے ان پروگراموں اور اُصولوں پر روشنی ڈالیں جن کے مطابق ان کی ابتدائی نشوونما ہوتی رہی ہے۔ اور پھر انہی اُصولوں اور

* مُتخصّص في تعليم اللغة العربية لغير العرب و پرنسپل معهد اللغة العربية، اسلام آباد

** اکتوبر 2007ء ص 75، جولائی 2008ء، ص 11

پروگراموں کی اساس پر مستقبل میں بچوں کی مزید ترقی اور بہتر تعلیم و تربیت کا خاکہ بنائیں، کیونکہ ایک کامیاب طالب علم وہ ہوتا ہے جو اپنی تعلیم کے ابتدائی زینوں پر جن اُصولوں کو سیکھے وہ انہیں مکمل طور پر سمجھتا ہو اور اپنی پوری زندگی میں ان کا اطلاق کرنے کے قابل ہو۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ عرب لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو جدی پشتی عرب ہوتے ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا کسی دوسرے دین کے پیروکار۔ دوسرے مسلمان لوگ جو اسلامی احکام پر عمل کرتے ہیں، وہ بھی عرب ہوتے ہیں۔کئی دوسرے ائمہ نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے۔

ہر مسلمان بچہ عربی ہوتا ہے!

اس حقیقت کے فہم اور تائید کے لئے جب ہم مسلمان بچے کی ابتدائی تعلیم و تربیت کی صورت اور اس کی مرحلہ وار ترقی پر غور کرتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت ِاسلام نے نومولود بچوں کی اسلامی تعلیم اور اُنہیں عربی زبان کی عملی تربیت دینے کی ایسی عمدہ اور پختہ منصوبہ بندی کی ہے، جس کے نتیجے میں ہر مسلمان بچہ حقیقتاً یا بالقوۃ عربی ہوتا ہے۔ آئیے شریعت اسلامیہ کی اس تدبیر اور حکمت کے چند مظاہر پر نظر ڈالیں۔

پہلا کورس: ماں کی گود کا تعلیمی کورس

ہر مسلمان بچے پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یہ ایک عظیم نعمت ہوتی ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسے دنیا کی پہلی خوراک 'گھڑتی' کھلانے سے پہلے اس کے دائیں کان میں اللہ تعالیٰ کی توحید، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی رسالت اور دعوتِ اسلام پر مشتمل عربی اذان پڑھی جاتی ہے۔ یوں مسلمان بچے کی پیدائش کے اوّل روز سے ہی اس کی اسلامی اور عربی تعلیم و تربیت کا عمدہ آغاز ہوتا ہے۔ پھر جب وہ ایک ڈیڑھ سال بعد بولنے لگتا ہے تو اسے سب سے پہلے لفظ 'اللہ' اور 'بسم اللہ' بولنے کی تربیت اور مشق کرائی جاتی ہے۔ پھر وہ امی، ابو یا بابا اور ماما وغیرہ بولنا سیکھتا ہے۔ بعد ازاں جب وہ کچھ لمبے الفاظ بولنے لگتا ہے تو اسے لا الہ اور لا الہ إلا اللہ وغیرہ بولنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ اور اس طرح مسلمان گھرانوں میں بچے کی اسلامی و عربی تعلیم و تربیت کا یہ مبارک سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

دوسرا کورس: قاعدہ یسرنا القرآن کورس

پھر جب بچہ تین چار سال کا ہوتا ہے تو وہ قریبی مسجد، مدرسے یا محلے کے کسی گھر میں القاعدۃ البغدادیۃ، قاعدہ یسرنا القرآن یا نورانی قاعدہ پڑھنے لگتا ہے۔ وہ اس تمہیدی قاعدے کو بالعموم ایک یا دو سال مسلسل محنت سے پڑھتا رہتا ہے، اور عربی زبان کے تمام حرفوں کی الگ الگ پہچان، ان کی مفرد اور مرکب شکلوں کی پہچان اور خواندگی سیکھتا ہے اور ان کے استعمالات کی مشق کرتے ہوئے قرآنِ کریم کے تمام الفاظ، ترکیبات، جملوں اور آیات کی قراءت سیکھتا ہے۔ نیز ان تمام حروف کے مخارج اور مدات کی اقسام، نیز وصل اور وقف کے قواعد کی تعلیم پاتا ہے۔

تیسرا کورس: ناظرہ قرآنِ کریم

اس تمہیدی قاعدے کو مکمل کرنے کے بعد یہ خوش نصیب بچے قراءت و تلاوت کے انہی اُصولوں اور قاعدوں کے مطابق اب قرآنِ کریم کی تلاوت کی تربیت کا نیا کورس شروع کرتے ہیں، جسے ناظرہ قرآنِ کریم کورس کہا جاتا ہے۔ اس میں کتاب اللہ کو شروع سے لے کر آخر تک سبقاً سبقاً پڑھایا جاتا ہے۔ یہ کورس ڈیڑھ دو سال تک جاری رہتا ہے۔ اس دوران وہ قرآن کریم کی آسان، سلیس اور شیریں عربی زبان پر مشتمل اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور آیات کو بار بار اور تکرار سے پڑھتا ہے۔

چوتھا کورس: حفظِ قرآنِ کریم کورس یا قراءتِ قرآنِ کریم کورس

بعد ازاں کچھ خوش نصیب بچے شعبہ تحفیظ القرآن الکریم میں داخلہ لیتے ہیں اور قرآنِ کریم کو شروع سے لے کر آخر تک زبانی یاد کرتے ہیں اور وہ صبح شام اور دن رات قرآنِ کریم کی عبارتوں اور سورتوں کو بیسیوں یا سینکڑوں بار پڑھتے اور دہراتے ہیں۔ اس کورس کو مکمل کرنے کے لئے وہ عموماً دو یا تین سال مسلسل پڑھتے رہتے ہیں جب کہ کئی دوسرے خوش نصیب بچے قرآنِ کریم کے تجوید و قراءت کورس میں داخلہ لیتے ہیں اور وہ ائمہ سلف اور معروف قراء سے مروی تجوید و قراءت کے قواعد کے مطابق آیاتِ کریمہ کی تلاوت کی مشق کرتے ہیں اور اساتذہ سے تربیت لیتے ہیں۔

یوں مسلمان بچے اپنی پیدائش کے اوّل روز سے لے کر سات، آٹھ یا دس گیارہ سال اور کبھی بارہ تیرہ سال تک اپنی زندگی عربی قرآنِ کریم اور عربی اسلامی تربیت کے سائے میں گذارتے ہیں۔ تو ان کے ذہنوں اور حافظے میں قرآنی الفاظ، مرکبات، محاورے اور جملے اور پوری پوری آیات پختہ اور محفوظ ہو جاتی ہیں۔ نیز ان کی آنکھوں میں قرآنی الفاظ اور جملوں کی کتابت کی شکلیں مرتسم ہو جاتی ہیں اور وہ انہیں بوقت ضرورت نہایت آسانی سے لکھنے، پڑھنے اور بولنے کی قدرت و مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔

اس کے علاوہ وہ رسولِ عربی ﷺ سے مروی نماز کے تمام اذکار، اذان، اقامت اور زندگی کے دیگر مواقع پر پڑھی جانے والی دعاؤں اور اذکار کو بھی زبانی یاد کر لیتے ہیں۔ اس طرح یہ مسلمان بچے اس عرصے میں تیس پاروں پر مشتمل قرآن کریم کی فصیح و بلیغ اور منفرد عربی لغت کے عظیم اور وسیع ذخیرے سے اچھی طرح واقف اور مانوس ہو جاتے ہیں، بلکہ وہ افصح العرب سیدنا محمد ﷺ کی نہایت جامع اور بلیغ دعاؤں اور اذکار کے اچھے ذخیرے کو بھی یاد کر لیتے ہیں۔

کیا مسلمان بچہ عربی کی طرح کسی دوسری زبان کو سیکھتا اور جانتا ہے؟

یہ قرآنِ کریم، اسلامی تعلیم اور عربی زبان و ادب کے ان کورسز کا مختصر تذکرہ ہے۔ جنہیں ہر مسلمان بچہ اپنی عمر کے روزِ اوّل سے لیکر دس گیارہ سال تک بڑے شوق اور محنت سے سنتا، پڑھتا اور یاد کرتا ہے۔ پھر اس کے والدین اور معلمین جس محنت، توجہ اور شوق سے اسے یہ تعلیم و تربیت دیتے ہیں، اسے بھی سامنے رکھیں۔ یوں ہر مسلمان بچہ قرآنِ کریم اور حدیث شریف کی معیاری اور اعلیٰ عربی لغت کا عظیم ذخیرہ یاد کرتا رہتا ہے۔ بلکہ وہ اسلام اور عربی لغت کے اس عظیم علمی و تعلیمی ذخیرہ کو طویل عرصہ تک سینکڑوں بلکہ ہزاروں بار سنتا، پڑھتا اور دہراتا ہے کہ یہ عربی حروف، الفاظ، جملے، عبارتیں اور سورتیں اس کے دل دماغ اور عقل و فکر میں رچ بس جاتے ہیں۔ بحث کو مزید واضح کرنے کی غرض سے یہاں اس کے درج ذیل تین پہلوؤں پر توجہ دی جائے:

❶ یہ کہ ہمارے مسلمان بچے مذکورہ بالا کورسز میں جس عربی لغت کو پڑھتے، صبح شام دہراتے اور حفظ کرتے ہیں، وہ قرآنِ کریم کی آیاتِ کریمہ اور رسول عربی ﷺ کی مبارک

احادیث کا عمدہ انتخاب ہوتا ہے۔ جس کا منبع وحی الٰہی ہے۔ اس لئے یہ عام سطح کی عربی زبان نہیں ہوتی بلکہ اعلیٰ درجے کی شستہ اور سلیس زبان (refined language) اونچی اور معیاری لغت (classical vocabulary) ہوتی ہے۔ اگر اسے صحیح طور پر سکھایا جائے تو وہ بچوں کی اعلیٰ علمی و ادبی صلاحیت اور بلند فکر و نظر کی ضامن بن سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے یہ کم عمر بچے اس بلند سطح کی کسی دوسری زبان، خواہ وہ ان کی مادری زبان ہو، مثلاً اُردو، انگریزی اور پشتو وغیرہ کا مطالعہ تو نہیں کرتے۔

❷ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ کی تدریس کے ان کورسوں میں مسلمان بچے جس وسیع و عریض عربی اَدب اور عظیم ذخیرۂ لغت سے آگاہ ہوتے ہیں، اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی، خصوصاً بچوں کی کم سنی میں۔

❸ مسلمان بچے اس عظیم دینی اور فکری سرمایہ اور عظیم ذخیرہ لغت کو جس پابندی اور تسلسل سے بچپن میں، اپنی جوانی میں اور آخری عمر تک اور عمر کے آخری دن تک، دہراتے، تلاوت کرتے اور یاد کرتے ہیں، اس کی کوئی اور مثال بھی شاید نہ مل سکے۔ واللہ أعلم وعلمہ أتم!

اب یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے ہر مسلمان کے لئے اس کی پیدائش کے دن سے لے کر اس کی پوری زندگی اور آخری دن تک تمام عبادات، اَذکار، تعلیم وتربیت، معیشت و سیاست اور تلقین وغیرہ سب کی زبان عربی ہی رکھی ہے۔ اس لیے عربی زبان دین اسلام کا عظیم شعار ہے اور اس دین فطرت کا جزو ہے جس کی تشریح ہمارے رسول عربی ﷺ نے یوں فرمائی ہے:

«كل إنسان تلده أمه على الفطرة وأبواه بعد يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه فإن كانا مسلمين فمسلم» (صحیح مسلم: ٦٧٦١)

''ہر انسان کو اس کی ماں فطرت پر جنتی ہے، بعد میں اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں۔ اگر وہ دونوں مسلمان ہوں گے تو بچہ مسلمان رہے گا۔''

اس دین فطرت میں عربی زبان بھی شامل ہے، کیونکہ اسلام اور عربی زبان کے مابین لازم وملزوم کا رشتہ ہے۔ اس لیے ہم اپنی درسگاہوں کو المدارس العربیۃ یعنی اسلامی مدارس کہتے

ہیں اور عرفِ عام میں بھی اس سے مراد دین اسلام ہی ہوتا ہے، عام مسلمان کہتے ہیں کہ ہمارے بچے عربی پڑھ رہے ہیں یعنی اسلامی وعربی تعلیم۔

قرآنِ کریم کی عربی زبان بالخصوص زیادہ آسان ہے!

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ایک صفت یہ ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اسی صفت کے مطابق اس باب میں اس کی ایک عظیم نعمت کا ذکر کرنا یہاں بہت ضروری اور مفید ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمت ورحمت کے مطابق اس کائنات کی ہدایت اور بھلائی کی خاطر اپنی آخری کتاب قرآنِ حکیم کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے، اور پھر اسے عام فہم اور سہل اُسلوب میں بیان کیا ہے تاکہ اسے عوام وخواص، شہری ودیہاتی، خواندہ وناخواندہ تمام انسان، نیز عرب وعجم بھی لوگ پڑھ سکیں اور اس کے ارشادات اور احکام کو بآسانی سمجھتے ہوئے اُن پر عمل کرسکیں۔ چنانچہ قرآنِ حکیم کی عربی زبان کے الفاظ، ترکیبیں، محاورے اور جملے آسان اور چھوٹے چھوٹے ہیں اور ان کے مضامین اور مطالب بھی عموماً مختصر، سہل اور اتنے عام فہم ہیں کہ چھوٹی عمر کے بچے بھی اُنہیں بآسانی پڑھ کر ذہن نشین کرلیتے ہیں۔

یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس آخری اُمت پر عظیم نعمت اور شفقت ہے۔ اپنی اس عظیم نعمت کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم کے ایک درجن سے زیادہ مقامات پر بیان کیا ہے۔ صرف سورہ القمر میں چار بار اس آیت کریمہ کو دہراتے ہوئے اس سے پند وموعظت لینے کی دعوت دی گئی ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۱۷)

''یقیناً ہم نے قرآن کو نہایت آسان بنادیا ہے، کیا کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟''

قرآنِ حکیم کی اس آسان زبان اور آسان اُسلوب کی طرح خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی حدیث شریف کی عربی زبان اور اُسلوب بھی اس قرآنی زبان واُسلوب کا عکس ہونے کی بنا پر نہایت آسان اور عام فہم ہے۔ نیز کتاب وسنت کی اس سہل زبان اور سہل اُسلوب کی طرح عام اسلامی لٹریچر پر بھی یہی رنگ غالب ہے کیونکہ صحابہ کرام، تبع تابعین، سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین اسی قرآنی نور سے منور ہیں۔ بلکہ اُمت کے اکثر علما، اُدبا، فقہا اور خطبا کا کلام اسی قرآنی

ونبوی زبان واسلوب میں رنگا ہوا ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک!

پھر خصوصیت سے ہمارے اس علاقے کے لوگوں کیلئے جو اُردو اور فارسی وغیرہ ایسی زبانوں کو جانتے ہیں جو عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں اور ان میں عربی الفاظ اور ترکیبات کی بہت بڑی مقدار پائی جاتی ہے، عربی اور بھی زیادہ آسان ہوجاتی ہے۔ ہماری قومی زبان اُردو میں مستعمل عربی الفاظ، محاوروں، روزمروں اور مرکبات کا تناسب تقریباً چالیس فیصد سے زیادہ ہے۔

اسی طرح ہمارے علاقے اور خطے کی دوسری زبانوں مثلاً فارسی، سندھی، پشتو اور پنجابی اور کشمیری وغیرہ میں بھی عربی الفاظ، ترکیبات اور محاوروں کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔

مستحکم بنیاد اور پختہ منصوبہ

اوپر میں نے مسلمان بچوں کی اسلامی وعربی تعلیم وتربیت بارے جن حقائق کا ذکر کیا ہے وہ ایسا امر واقع ہیں جن پر ہر باشعور مسلمان خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی، خوشی خوشی عمل کرتا ہے اور تمام اسلامی ممالک کے بچے ان سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس پروگرام پر غور وفکر اور تجزیے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ہماری نسلوں کی ابتدائی سطح کی اسلامی اور لسانی تربیت کا مکمل اور دائمی منصوبہ خود بنایا ہوا ہے جس کی بنیاد صحیح عقیدۂ توحید اور اعلیٰ اُصولوں پر رکھی گئی ہے، اور مسلمان اسے نافذ کرنے کے پابند ہیں اور وہ واقعتاً اس پر برضا ورغبت عمل کرتے ہیں۔ والحمد للہ علی ذلک!

بہرحال یہ اس مستحکم بنیاد پر قائم پختہ تعلیمی وتربیتی منصوبے کا خلاصہ ہے جسے مکمل کرتے ہوئے ہمارے یہ عزیز اور انمول بچے ہمارے اسلامی مدارس میں مزید اعلیٰ تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں، اب ہم نے اُن کی آئندہ تعلیم وتربیت کی منصوبہ بندی کرنی ہے۔

آیئے پہلے ہم ان کا مفصل جائزہ لیں اور دیکھیں کہ تعلیم کے ان ابتدائی زینوں میں وہ کن اُمور یا پہلوؤں میں اچھی مہارت حاصل کر لیتے ہیں؟ اور کن کن اُمور میں پسماندہ رہتے ہیں؟ اور اس کے اسباب کیا ہیں؟ اور ان کا اِزالہ کیسے کیا جائے؟ ان سوالات کا صحیح جائزہ لینے کے بعد ہمیں مستقبل میں ان کی بہتر تعلیم وتربیت کی منصوبہ بندی کرنا ہوگی۔ یہاں ان کی تعلیم وتربیت کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے:

مثبت پہلو

۱۔ عربی حروف کے مختلف استعمالات کی پہچان
۲۔ عربی الفاظ کے ہجوں کی پہچان (Spelling) میں مکمل اور اعلیٰ مہارت
۳۔ عربی حروف کے مخارج کی تعلیم اور مشق
۴۔ قرآنِ کریم کی قراءت کے ضروری قاعدوں کی تعلیم اور عملی مشق
۵۔ منتخب سورتوں کا حفظ
۶۔ مکمل قرآنِ کریم کا حفظ
۷۔ منتخب مسنون دعاؤں اور اذکار کا حفظ
۸۔ اسلام کے دونوں بنیادی ارکان: شہادتین اور نماز کی مکمل تعلیم اور عملی مشق
۹۔ بنیادی اسلامی آداب کی تعلیم و تربیت
۱۰۔ عربی زبان کے وسیع ذخیرہ لغت کی سالوں تک زبانی قراءت
۱۱۔ عربی زبان کے وسیع ذخیرہ لغت کا حفظ اور دہرائی
۱۲۔ عربی زبان کے وسیع ذخیرہ لغت کی سماعت مسلسل کرتے ہیں۔

منفی پہلو

۱۔ عربی زبان کے اس ذخیرۂ لغت کا فہم بہت کم حاصل ہوتا ہے۔
۲۔ عربی الفاظ اور جملوں کو مسلسل پڑھتے اور سننے کے باوجود انکے استعمال سے یکسر ناواقف رہتے ہیں۔
۳۔ عربی الفاظ اور جملوں کو مسلسل پڑھنے اور سننے کے باوجود اُنہیں لکھنے کی قدرت نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے یہ عزیز بچے قرآنِ کریم اور حدیث کی اعلیٰ اور معیاری عربی زبان کو طویل مدت تک پڑھتے ہوئے:

۱۔ اسلامی عقیدے، نماز ادا کرنے اور آداب کی اچھی تربیت حاصل کرتے ہیں۔
۲۔ عربی کے وسیع ذخیرے کو پڑھنے کی تربیت پاتے ہیں۔
۳۔ اس کے ایک بڑے حصے کو زبانی یاد کرتے ہیں۔

۴۔ اور اسے سننے کی صلاحیت حاصل کرتے ہیں۔

لیکن

۱۔اس وسیع ذخیرہ لغت کے فہم سے قاصر رہتے ہیں۔

۲۔ اپنی بول چال میں ابتدائی عربی کے استعمال پر قادر نہیں ہوتے۔

۳۔ وہ عربی زبان کو لکھنے سے یکسر قاصر ہوتے ہیں۔

بنیادی نقص

قرآنِ کریم اور حدیث شریف کے ان ابتدائی کورسوں کی تدریس کے دوران ہمارے بچے وسیع علم اور تربیت حاصل کرتے ہیں اور بہت سی تعلیمی مہارتوں کو خوب سیکھ لیتے ہیں۔لیکن اس وسیع تعلیم وتربیت میں صرف ایک بنیادی نقص رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ ابتدائی عربی زبان کے فہم اور اسے بولنے اور لکھنے کی مشق اور تربیت سے بالکل محروم رہتے ہیں۔فن تعلیم کے مطابق اُصولی طور پر اُنہیں دوسری تعلیمی مہارتوں کے ساتھ ساتھ ان تینوں اُمور یعنی

(۱)ابتدائی عربی زبان کے فہم (۲) لکھنے (۳) بولنے

میں بھی اچھی صلاحیت پیدا کرنے کا اہتمام ضروری ہوتا ہے۔

تشخیص

مسلمان بچوں کی اسلامی تعلیم وتربیت کے اس بنیادی نقص اور بیماری کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہ کیا جائے۔کیونکہ اگر یہ نقص چند سال اور جاری رہا تو یہ ان کی اچھی اور متوازن شخصیت کی تعمیر وترقی میں حائل رہے گا۔اور ان کی کئی صلاحیتوں کو جامد کرتے ہوئے اُنہیں ہمیشہ کے لئے احساسِ کمتری میں مبتلا کردے گا۔اور وہ کبھی بھی ان شعبوں میں ترقی نہ کرسکیں گے۔

عربی زبان بولنے اور لکھنے کی تربیت دینے کا سنہری موقع

جیسا کہ میں پہلے تفصیل سے بیان کر چکا ہوں، اس تعلیمی مرحلے پر پہنچنے تک مسلمان بچے قرآنِ کریم کی مبارک زبان کی اچھی تعلیم وتربیت حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔اور وہ کچھ اور محنت کرکے اسے بولنے اور لکھنے کی مہارت بھی حاصل کرسکتے ہیں اور وہ اس بات کا شوق بھی رکھتے ہیں اور اہلیت بھی۔پھر ان کے پاس مناسب وقت بھی ہوتا ہے۔اس لئے یہ اُنہیں عربی

زبان پڑھنے، بولنے اور لکھنے کی معیاری تعلیم وتربیت دینے کا سنہری موقع ہوتا ہے۔ لہٰذا ہماری درسگاہوں اور مساجد کو اس موقع سے استفادہ کرنا چاہیے۔

حل اور علاج

اس کی آسان صورت یہ ہوسکتی ہے کہ نورانی قاعدہ یا قاعدہ 'یسرنا القرآن' کی تکمیل کے بعد جو ناظرہ قرآن کورس پڑھایا جاتا ہے اس کے آخری سال یا آخری ششماہی میں بچوں کو ہر سبق کے آخر میں روزانہ صرف پانچ یا دس منٹ ابتدائی عربی زبان کے عربی میڈیم کورس کی عملی مشق کرائی جائے تو وہ آسانی اور خوشی سے ابتدائی عربی زبان بولنے اور لکھنے لگیں گے جس سے ان کے اس نقص کا ازالہ ہوگا اور وہ ابتدائی عربی زبان کے فہم اور استعمال میں مناسب مہارت حاصل کرلیں گے جو آئندہ تعلیمی درجات میں ان کی مزید ترقی اور مہارت کا ذریعہ بنے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اسی طرح یہی عملی کورس اور مشق شعبہ تحفیظ القرآن الکریم کے بچوں کو بھی مکمل کرایا جائے۔ ننھے بچوں کیلئے عربی میڈیم کورس کی تفصیل آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

خریدارانِ محدث توجہ فرمائیں

خریدارانِ محدث کو مدتِ خریداری ختم ہونے کی اطلاع بذریعہ پوسٹ کارڈ دی جاتی تھی اب قارئین کی آسانی کے لیے محدث کے لفافہ پر چسپاں ایڈریس میں بھی زرِ سالانہ ختم ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے۔ لہٰذا جن حضرات کو مدتِ خریداری ختم ہونے کی اطلاع دی گئی ہے۔ از راہِ کرم اوّلین فرصت میں زرِتعاون بھیج کر تجدید کروائیں۔ شکریہ

منجانب: محمد اصغر، مینیجر ماہنامہ 'محدث'، لاہور، فون: 0305-4600861

اعلان

ماہنامہ 'محدث' میں مضامین ومراسلات بھیجنے والے حضرات آئندہ اس فون یا ای میل پر رابطہ کرسکتے ہیں۔ کامران طاہر (معاون مدیر) فون: 0302-4424736

ای میل: mkamrantahir@gmail.com

مکاتیب وتاثرات

مراسلات

❶ محترم جناب ڈاکٹر حافظ حسن مدنی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کی زیر ادارت ماہنامہ 'محدث' کے علمی وتحقیقی مضامین ہر ماہ پڑھنے کو ملتے ہیں۔ بلاشبہ اس وقت برصغیر پاک وہند بلکہ جہاں جہاں اُردو پڑھی اور لکھی جاتی ہے، اُن میں محدث اپنے علمی وتحقیقی معیار کے اعتبار سے بلند مقام رکھتا ہے۔ ماضی میں محدث کی طرف سے 'سود نمبر'، 'انکارِ حدیث نمبر' اور 'تصویر نمبر' کی صورت میں جو علمی وتحقیقی مواد پیش کیا گیا ہے وہ اِدارہ کی طرف سے بہت بڑی اسلامی اور دینی خدمت ہے۔ (محمد رمضان یوسف سلفی، فیصل آباد)

---

❷ اُستاذ العلما حضرت مولانا عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت، تندرستی اور عمر دراز عطا کرے۔ ماہنامہ 'محدث' اور ادارے کے معاونین واراکین کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ ایک مرتبہ راولپنڈی، صدر بازار میں پرانی کتب دیکھتے ہوئے ماہنامہ 'محدث' کے تین شمارے حاصل کیے۔ ماشاء اللہ، سبحان اللہ!

ان میں اتنے زیادہ قیمتی علمی اور اصلاحی مضامین پوری تفصیل سے لکھے تھے گویا کہ ہر مقالہ پورا ایک کتابچہ تھا۔ اس طرح سے پہلی بار رسالہ 'محدث' سے تعارف حاصل ہوا۔ یوں آپ کے مجلہ نے میرا دل لوٹ لیا۔ اس مادی اور الحاد کے دور میں آپ جیسے غیرت مند، ایمان والوں نے اشاعتِ دین کے پلیٹ فارم پر یہودیوں، عیسائیوں، قادیانیوں اور مغرب زدہ عاصمہ جہانگیر، نجم سیٹھی اور فخر زماں جیسی سوچ وفکر رکھنے والے اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کا کامیاب تعاقب جاری رکھا ہوا ہے۔ بلاشبہ آپ جیسے مجاہدین پوری اُمت مسلمہ کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کر رہے ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم زیادہ! (عبدالعزیز، آزاد کشمیر)

www.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol. 42 No. 11
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

☜ عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ——— زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700